مکتبہ رحمانیہ
اقراء سنٹر۔ غزنی سٹریٹ
۱۸- اردو بازار،
لاہور

اَرْواحِ ثلاثہ

مع اضافہ

یعنی حکایاتِ اولیاء

مجموعۂ رسائل

امیر الرّوایات
از حضرت امیر شاہ خان صاحب

رُوایاتُ الطیّب
از مولنا قاری محمّد طیب صاحب

اَشرفُ التّنبیہ و حاشیہ

از حکیمُ الاُمت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ

مکتبۂ رحمانیہ
اقراء سنٹر۔ غزنی سٹریٹ
۱۸- اُردو بازار،
لاہور

حکایت ۵ = حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ شاہ ولی اللہ جب مرض موت میں مبتلا ہوئے تو بہ مقتضائے بشریت بچوں کی صغرسنی کا تردد تھا۔ اسی وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ تشریف لائے اور فرماتے ہیں کہ (تو کاہے کا فکر کری ہے جیسی تیری اولاد ویسی ہی میری) پھر آپ کو اطمینان ہوگیا۔ مولانا نے فرمایا کہ شاہ صاحب کی اولاد عالم ہوئی اور بڑے مرتبوں پر پہنچی۔ جیسے بھی صاحب فضل و کمال ہوئے ظاہر ہے۔ (از تحریرات بعض ثقات) (منقول از اضافہ مولوی محمد نبیہ صاحب در اشرف التنبیہ)

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفرلہ

حکایت ٦ = ایک بار ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور زندگی سے یاس ہوئی تو بہ مقتضائے بشریت بچوں کی صغرسنی کا تردد تھا۔ اسی وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ تشریف لائے اور فرماتے ہیں کہ تو کاہے کا فکر کرے ہے جیسے تیری اولاد ویسی ہی میری آپ کو اطمینان ہوگیا۔ شاہ صاحب کی اولاد سب عالم ہوئی اور بڑے مرتبوں پر پہنچی ہے۔ جیسے بھی صاحب فضل و کمال ہوئے ظاہر ہے۔ آپ کے چار صاحبزادے تھے۔ اب ان کی اولاد میں بجز عبدالسلام غیر تعلیم یافتہ اور کوئی بھی نہیں۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی حکایت

حکایت ۷ = خان صاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے کسی بزرگ سے نہیں سنا۔ صرف دیوان اللہ دیئے سے سنا ہے۔ وہ بیان کرتے تھے کہ مرزا جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جامع مسجد میں جب جمعہ کی نماز کے لیے تشریف لاتے تو جنوبی دروازہ سے داخل ہوتے اور جب نماز سے فارغ ہو کر

تشریف لے جاتے تو شرقی دروازہ سے جاتے۔ جمعہ کی نماز کے بعد شرقی دروازہ کی شمالی سہ دری میں ایک بزرگ مصلے بچھا کر بیٹھتے تھے' اور ان کے سامنے ایک مٹی کا لوٹا اور اس کے اوپر ایک گھسی ہوئی اینٹ رکھی ہوتی تھی۔ جب مرزا صاحب نماز سے فارغ ہو کر تشریف لاتے تو ان بزرگ کے لاتیں مارتے اور برا بھلا کہتے اور ان کے نیچے سے مصلے نکال کر پھینک دیتے لوٹا اٹھا کر توڑ دیتے اور اینٹ کو بھی اٹھا کر پھینک دیتے۔ اور یہ کر کے روانہ ہو جاتے۔ لوگ اس حرکت کو دیکھ کر اور مرزا صاحب کی شان کے خلاف سمجھ کر اس پر تعجب کرتے۔ مگر دریافت کرنے کی کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ کسی خاص شخص نے جرات کر کے دریافت کیا کہ حضرت یہ کون بزرگ ہیں اور آپ ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیوں کرتے ہیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب ہم لڑکے تھے یہ بھی ہمارے چاہنے والوں میں سے تھے۔ اور یہ بھی ہمارے پاس آیا کرتے تھے۔ اس وقت ان کے ساتھ یونہی ہاتھا پائی ہوا کرتی تھی۔ جوں جوں ہم جوان ہوتے گئے ہمارے چاہنے والے رخصت ہوتے گئے۔ مگر صرف یہ ایک شخص تھا جو برابر آتا رہا۔ اب خدا نے ہمیں ہدایت کی اور ہم سلوک کی طرف متوجہ ہوئے اور خدا کے فضل سے صاحب اجازت ہوئے۔ ایک روز ہمیں خیال ہوا کہ یہ شخص باوفا دوست ہے اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ میں نے جو اس کی طرف توجہ کی تو میں اس کے عکس ہی میں دب گیا۔ اور میں نے اس کو اپنے سے بہت اونچا دیکھا۔ اب میں نہایت پریشان ہوا اور میں نے اس کا نہایت ادب کیا۔ اور اپنی جگہ اس کے لیے چھوڑی اور کہا کہ میں اس جگہ کے قابل نہیں ہوں۔ آپ میری جگہ تشریف رکھیں اور میں آپ کی جگہ۔ مگر اس نے نہ مانا۔ میں نے نہایت اصرار کیا مگر اس نے میرے اصرار پر بھی نہ مانا اور کہا کہ تمہیں میرے ساتھ وہی برتاؤ کرنا ہوگا جو اب تک کرتے رہے ہو۔ اس کو میں نے نہ مانا اس پر انہوں نے میری تمام کیفیت سلب کر لی اور میں کورا رہ گیا۔ اب میں بہت پریشان ہوا اور میں نے کہا کہ میری

اس کو بھی یاد نہ تھے۔ اس کو حیرت ہو گئی۔ پوچھا تو فرمایا کہ بچپن میں ایک کتاب دیکھی تھی۔ اس میں سے ہی کچھ یاد ہو گیا تھا۔

حکایت = ۳۲ فرمایا کہ شاہ عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ کے پاس دو قوال آئے ان میں کسی راگنی میں اختلاف تھا اور شاہ صاحب کو حکم بنایا۔ دونوں نے شاہ صاحب کے سامنے گایا۔ شاہ صاحب نے ایک کی تصویب کی اور دوسرے کا تخطیہ۔ اور بتلا دیا کہ یہ خرابی ہے۔ ان کو بڑا تعجب ہوا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب ہم مکتب میں جاتے تھے تو ہمارے راستے میں ایک ڈوم نے بالا خانہ کرائے پر لے رکھا تھا۔ ہم آتے جاتے سنا کرتے تھے۔ اسی سے ہم نے کچھ معلوم کیا تھا جو ہمیں یاد ہے۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفرلہ کسولوی

حکایت = ۳۳ = ایک بار شاہ عبد العزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے جناب امیر المومنین علی کرم اللہ وجہ کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ مذاہب اربعہ میں کون مذہب آپ کے مذہب کے مطابق ہے؟ فرمایا۔ کوئی بھی نہیں۔ پھر سلاسل اربعہ کو دریافت کیا۔ اس کی بابت بھی وہی ارشاد ہوا کہ کوئی بھی نہیں جب اس خواب کی خبر مرزا جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ کو ہوئی تو آپ نے شاہ صاحب سے پوچھ بھیجا کہ یہ خواب اضغاث احلام تو نہیں ہے؟ اس کے کیا معنی کہ سلاسل اربعہ اور مذاہب اربعہ میں سے کوئی ایک بھی جناب امیر المومنین کے موافق نہ ہو؟ شاہ صاحب نے لکھا کہ یہ خواب رؤیائے صالحہ ہے اور عدم موافقت کا یہ مطلب ہے کہ من کل الوجوہ اور ہر ہر جزئیات میں کوئی سلسلہ اور کوئی مذہب آپ کے مذہب کے مطابق نہیں ہے اس لیے کہ ہر ایک مذہب مذاہب صحابہؓ کا مجموعہ ہے۔ کوئی مسئلہ حضرت صدیقؓ کے مطابق ہے تو کوئی مسئلہ حضرت علیؓ کے۔ اور کوئی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور یہی حال سلاسل

مشائخ کا ہے۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

مولانا شاہ عبد القادرؒ دہلوی کی حکایات

حکایت = ۳۴ خاں صاحب نے فرمایا کہ یہ جو بات میں اس وقت لکھوانا چاہتا ہوں میں نے صدہا آدمیوں سے سنی ہے اور اس کے آخر میں مولوی محمود الحسن صاحب کا کچھ اضافہ ہے اس کو آخر میں لکھواؤں گا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ اگر عید کا چاند تیس (۳۰) کا ہونے والا ہوتا تو شاہ عبد القادر صاحب اول روز تراویح میں ایک پارہ پڑھتے اور اگر انتیس کا چاند ہونے والا ہوتا تو اول روز دو پارے پڑھتے۔ چونکہ اس کا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لیے شاہ عبدالعزیز صاحب اول روز آدمی کو بھیجتے تھے کہ دیکھ کر آؤ میاں عبدالقادر نے آج کے پارے پڑھے ہیں۔ اگر آدمی یہ آکر کہتا کہ آج دو پڑھے ہیں تو شاہ صاحب فرماتے کہ عید کا چاند تو انتیس (۲۹) ہی کا ہو گا۔ یہ بات دوسری ہے کہ ابر وغیرہ کی وجہ سے دکھائی نہ دے۔ اور حجت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ہم رویت کا حکم نہ لگا سکیں۔ اس میں مولوی محمود الحسن صاحب یہ اضافہ فرماتے تھے کہ یہ بات دلی میں اس قدر مشہور ہو گئی تھی کہ اہل بازار اور اہل پیشہ کے کاروبار اس پر مبنی ہو گئے تھے' مثلاً اگر شاہ صاحب پہلے روز دو پارے سناتے تھے تو لوگ سمجھ لیتے تھے کہ اب کے عید کا چاند انتیس (۲۹) کا ہو گا اور درزی دھوبی وغیرہ ۲۹ رمضان تک کپڑوں کی تیاری کے لیے کوشش کرتے تھے اور انتیس (۲۹) کو حتی الامکان کام پورا کر دیتے تھے۔ اور اگر اول روز ایک پارہ سناتے تھے تو سمجھ لیتے کہ چاند تیس (۳۰) کا ہو گا۔ اور تیس (۳۰) تاریخ تک تیاری کا اہتمام کرتے۔

حاشیہ حکایت = ۳۴ قولہ حجت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ہم رؤیت کا حکم نہ لگا سکیں گے۔ **اقول۔** اس سے معلوم ہوا کہ کسی کشف کا واقعیت سے کبھی متخلف نہ ہونا بھی کاملین کے نزدیک شرع کے مقابلہ میں حجت نہیں۔

(شت)

حکایت = ۳۵ خاں صاحب نے فرمایا کہ یہ بات بھی میں نے صدہا لوگوں سے سنی ہے اور اپنے سب بزرگوں سے بھی سنی ہے اور مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری اور مولوی ماجد علی صاحب اور مولوی احمد علی خیر آبادی سے بھی سنی ہے کہ مولوی فضل حق صاحب اور مفتی صدر الدین صاحب جس روز خود کتاب لے کر جاتے اس روز شاہ عبدالقادر صاحب سبق پڑھاتے تھے اور جس روز کتاب خدمت گار کے ہاتھ بلوا کر لاتے اس روز سبق نہ پڑھاتے۔

حاشیہ حکایت = ۳۵ قولہ۔ جس روز کتاب خدمت گار کے ہاتھ الخ **اقول۔** دو کمال پر دلالت ہوئی ایک کمال کشف۔ کیونکہ' خدمت گار کو استاد کے سامنے تک تھوڑا ہی آنے دیتے تھے۔ دوسرا کمال ترتیب کہ ذمیمہ کبر کا کیسا لطیف علاج فرماتے تھے۔ جو قولی سے انفع ہے۔ (شت)

حکایت = ۳۶ خاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی فیض الحسن صاحب فرماتے تھے کہ میرے استاد مولوی فضل حق صاحب خیر آبادی بیان فرماتے تھے میں حضرت مجدد صاحب کے سلسلہ کا زیادہ معتقد نہ تھا۔ لیکن جب سے میں نے سنا شاہ عبدالقادر صاحب کو اور فلاں بزرگ کو دیکھا ہے۔ اس وقت سے میں اس سلسلہ کا بہت معتقد ہو گیا۔ کیونکہ اگر وہ سلسلہ فی الحقیقت ناقص ہوتا تو ایسے لوگ اس سلسلہ میں داخل نہ ہوتے (خاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی فیض الحسن صاحب نے ان دوسرے بزرگ کا بھی نام لیا تھا۔ مگر مجھے وہ نام یاد نہیں رہا) مولوی فیض الحسن صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ شاہ عبدالقادر صاحب سے کرامات کا اس زور شور سے صدور ہوتا ہے جیسے خزاں کے زمانے میں پت جھڑ ہو۔ یا بارش کے وقت بوندیں گرتی ہیں۔

حاشیہ حکایت = ۳۶ قولہ داخل نہ ہوتے۔ اقول مطلب یہ ہے کہ

اس داخل ہونے کا استمرار نہ ہو تا یعنی اگر غلطی سے داخل ہو جاتے تو داخل رہتے نہیں۔ (شت)

حکایت = ۳۷ خاں صاحب نے فرمایا کہ یہ بات میں نے صدہا سے سنی ہے۔ مگر خاص بات یہ میں نے مولانا نانوتوی سے سنی ہے وہ فرماتے تھے کہ اس خاندان کے دو غبی ہیں ایک شاہ عبدالقادر صاحب اور ایک مولانا اسحاق صاحب مولوی فضل حق صاحب اور مفتی صدر الدین صاحب یہ فرمایا کرتے تھے کہ اس خاندان کے لوگ علوم دینیہ جیسے حدیث تفسیر فقہ وغیرہ خوب جانتے تھے۔ مگر معقولات نہیں جانتے چنانچہ ایک روز جس وقت پڑھنے جا رہے تھے' ابھی وہ شاہ صاحب تک پہنچے بھی نہ تھے کہ شاہ صاحب نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ ایک بوریا مسجد سے باہر ڈال دو اور ایک مسجد کے اندر۔ اور جب فضل حق اور صدرالدین آئیں تو ان کو وہیں بٹھلا دو۔ بوریے حسب الحکم بچھا دیئے گئے اور جب وہ دونوں آ گئے تو ان کو وہیں بٹھلا دیا گیا۔ جب ان کے آنے کی شاہ صاحب کو اطلاع ہوئی تو شاہ صاحب تشریف لائے اور آ کر اپنے بوریے پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میاں فضل حق اور میاں صدرالدین آج سبق پڑھانے کو تو جی نہیں چاہتا۔ یوں جی چاہتا ہے کہ کچھ معقولیوں کی خرافات میں گفتگو ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت جیسے حضرت کی خوشی ہو۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ متکلمین کا کون سا مسئلہ ایسا ہے جو فلاسفہ کے مقابلہ میں بہت ہی کمزور ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت متکلمین کے تو اکثر مسائل کمزور ہی ہیں۔ مگر فلاں مسئلہ تو بہت ہی کمزور ہے اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا تم فلاسفہ کا مسئلہ لو اور ہم متکلمین کا۔ اور گفتگو کریں۔ انہوں نے عرض کیا کہ بہت اچھا۔ اس پر گفتگو ہوئی اور شاہ صاحب نے دونوں کو عاجز کر دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اچھا اب یہ بتلاؤ کہ فلاسفہ کا کون سا مسئلہ کمزور ہے۔ اس پر انہوں نے عرض کیا فلاں مسئلہ کمزور ہے۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا اچھا اب تم متکلمین کا پہلو لو اور ہم فلاسفہ

کا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور شاہ صاحب نے اب بھی ان کو چلنے نہیں دیا۔ جب ہر طرح ان کو مغلوب کر دیا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں فضل حق اور میاں صدرالدین تم یہ نہ سمجھو کہ ہم کو معقول نہیں آتی۔ بلکہ ہم نے ان کو ناقص اور واہیات سمجھ کر ان کو چھوڑ دیا ہے۔ مگر انہوں نے ہمیں اب تک نہیں چھوڑا وہ اب تک ہماری قدم بوسی کیے جاتے ہیں۔ یہ قصہ بیان فرما کر خاں صاحب نے فرمایا کہ میں نے اپنے بزرگوں سے تو یوں سنا ہے کہ یہ گفتگو مولوی فضل حق صاحب اور مفتی صدرالدین صاحب دونوں سے ہوئی تھی۔ مگر مولوی احمد علی خیر آبادی اور مولوی ماجد علی یہ فرماتے تھے کہ اس گفتگو میں صرف مفتی صاحب تھے۔ اور مولوی فضل حق صاحب سے گفتگو نہ ہوئی تھی۔

حاشیہ حکایت = ۳۷ قولہ۔ ایک بوریا مسجد سے باہر الخ **اقول** کتنا دقیق تقوی ہے کہ دونوں بوریئے معقولات ہی کی گفتگو کے لیے بچھائے گئے تھے۔ مگر مدعیان معقول کی نیت تقویت معقول کی تھی۔ ان کا فعل طاعت نہ تھا۔ اس کے لیے مسجد میں بیٹھنا جائز نہیں رکھا گیا اور حضرت شاہ صاحب کی نیت تزنیف معقول کی تھی۔ یہ فعل طاعت تھا۔ اس کے لیے مسجد میں بیٹھنا جائز رکھا گیا۔ (شت)

حکایت = ۳۸ خاں صاحب نے فرمایا کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اپنی حیات میں اپنی کل جائداد حصص شرعیہ کے موافق اپنی صاحبزادی اور اپنے بھائیوں کے نام کر دی تھی۔ اور چونکہ مولوی اسمٰعیل صاحب سے آپ کو بہت محبت تھی اور آپ نے ان کو متبنٰی بھی بنایا تھا اس لیے آپ نے بیٹی اور بھائیوں کی اجازت سے کچھ حصہ ان کے نام بھی کر دیا تھا۔ اور خود بالکل متوکل ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ اور یہ بھی عادت تھی کہ کسی کا ہدیہ نہ لیتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز سے ان کو محبت تھی اس لیے شاہ صاحب دونوں وقت نہایت اہتمام کے ساتھ ان کے لیے کھانا بھجوایا کرتے تھے۔ اور جب کپڑوں کی ضرورت ہوتی تو کپڑے بھی شاہ صاحب

ہی بنا دیا کرتے تھے۔ اتفاق سے ایک روز ایک بھنگ فروش عورت آئی اور اس نے آکر نہایت سماجت سے عرض کیا کہ حضرت میں مجبور ہو گئی ہوں اور میری دوکان نہیں چلتی۔ آپ نے اس کو ایک تعویذ لکھ دیا اور فرمایا کہ اس کو بھنگ گھوٹنے کے لوٹے پر باندھ دینا۔ اور فرمایا کہ جب تیری دوکان چل جائے تو مجھے یہ تعویذ واپس دے جانا۔ چونکہ آپ کی خدمت میں بڑے بڑے لوگ جیسے شاہ اسحاق صاحب مولوی عبد الحئی صاحب وغیرہ ہم بیٹھے تھے۔ اس لیے ان کو شاہ صاحب کے اس فعل سے بہت خلجان ہوا کہ شاہ صاحب اور بھنگ کی بکری کا تعویذ! مگر اس کو دل ہی میں رکھا اور ظاہر نہیں کیا۔ چند روز کے بعد وہ عورت دو بھنگیاں مٹھائی کی لائی آپ نے خلاف معمول کہ یہ ہدیہ نہ لیتے تھے بھنگیاں قبول فرمالیں۔ اب تو ان حضرات کا خلجان اور ترقی کر گیا جب وہ عورت چلی گئی تو آپ نے وہ تعویذ ان لوگوں کو دیا اور فرمایا کہ اسے پڑھ لو اس میں کیا لکھا ہے۔ انہوں نے پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ "دہلی کے بھنگ پینے والو تمہارا بھنگ پینا مقدر ہو چکا ہے۔ تم اور جگہ نہ پیا کرو۔ اسی دوکان پر پی لیا کرو اور اسی روز آپ نے حکم دیا کہ چار بوریئے مسجد سے باہر بچھا دیئے جائیں اور ایک مسجد کے اندر بچھا دیا جائے۔ خدام نے اس حکم کی تعمیل کر دی تھوڑی دیر میں چار جوگی آئے اور شاہ صاحب نے ان کو چاروں بوریوں پر بٹھا دیا۔ اور خود مسجد کے ڈالے ہوئے بوریئے پر بیٹھ گئے۔ اور تھوڑی دیر باتیں کر کے انہیں رخصت کر دیا۔ اور چاروں چھابڑے مٹھائیوں کے ان کے ساتھ کر دیئے۔ اور جن لوگوں کو شبہ ہوا تھا ان کو سناتے ہوئے فرمایا" مال حرام بود بجائے حرام رفت" خاں صاحب نے فرمایا یہ قصہ میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب سے سنا ہے۔

حاشیہ حکایت = ۳۸ قولہ۔ متبنٰی بھی بنا لیا تھا۔ **اقول** اور متبنٰی کو جو نفی آئی ہے وہ یہ ہے جس میں احکام ابناء کے جاری کیے جاویں۔ مثل میراث وغیرہ۔ قولہ۔ اجازت ہے اقول یہ اجازت لینا تبرع تھا ورنہ بوقت مصلحت

مالک کو اس کی اجازت ہے۔ قولہ۔ متوکل ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ اقول۔ ترک اسباب ظنیہ اقویاء کو جائز ہے اور کسی مصلحت سے اس کو ترجیح دینا بھی خلاف طریق نہیں قولہ ہدیہ نہ لیتے تھے۔ اقول۔ حاجت نہ ہونے وقت بہ مصلحت اس طور سے عذر کر دینا کہ مہدی کی دل شکنی نہ ہو۔ خلاف طریق نہیں اور عدم حاجت بڑے شاہ صاحب کی کفالت کے سبب تھی اور مصلحت کا علم خود صاحب معاملہ کو ہونا کافی ہے۔ قولہ ایک تعویذ لکھ دیا۔ اقول۔ اس تعویذ کی حقیقت تو آگے مذکور ہے جس سے معلوم ہو گا کہ وہ کوئی تعویذ ہی نہ تھا جس کے اثر سے بکری ہوتی ہو تو اعانت علی المعصیت کا شبہ تو متوجہ ہو ہی نہیں سکتا۔ باقی یہ شبہ کہ اس کو نہی عن المنکر کیوں نہیں کیا اس طرح مدفوع ہے۔ کہ توقع قبول نہ ہو گی۔ رہا یہ کہ اگر نہی نہیں فرمائی تو کم از کم تقریر تو نہ فرماتے۔ جس سے شبہ موافقت و عدم نکیر کا ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ انکشاف قدرے مغلوب ہو گئے ہوں گے۔ اور مغلوب معذور ہوتا ہے۔ اور یہی انکشاف بدرجہ غلبہ سبب ہوا ہو۔ قبول ہدیہ کا۔ باقی قبول کے بعد اس کا مصرف اہل حاجب ہونا یہ تو قواعد شرعیہ ہی کا مقتضا ہے۔ باقی اس مصرف کا کافی ہونا یہ مزید رعایت ہے مال کے خبث کی۔ قولہ چار بورئیے مسجد سے باہر الخ اقول۔ یہ ضروری نہیں کہ بورئیے مسجد کے ہوں۔ کیونکہ ان کا استعمال غیر مصالح مسجد میں ناجائز ہے' خود شاہ صاحب کے ہوں گے۔ (شت)

حکایت = ۳۹ خاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب نے بیان فرمایا کہ شاہ عبدالقادر صاحب کا معمول تھا کہ کسی کی تعظیم نہ دیتے تھے مگر سید کو تعظیم دیتے تھے خواہ سنی ہو یا شیعہ۔ ایک رئیس تھا شیعی اس کے یہاں شاہ عبدالقادر صاحب کی اس عادت کا تذکرہ ہوا جن لوگوں نے ذکر کیا وہ سنی تھے۔ اس پر وہ رئیس بولا کہ میں شاہ صاحب کی خدمت میں چلتا ہوں۔ اگر انہوں نے میری تعظیم دے دی تو میں سنی ہو جاؤں گا اور اس سے میرے سید ہونے کی بھی تصدیق

ہو جاوے گی اور یہ کہہ کر وہ شاہ صاحب کی خدمت میں روانہ ہو گیا۔ اور جو لوگ اس وقت اس کے یہاں موجود تھے وہ بھی اس کے ساتھ ہو لیے۔ اس رئیس نے سب سے کہہ دیا کہ سب لوگ میرے ساتھ چلیں۔ کوئی شخص مجھ سے آگے نہ جاوے۔ جب وہ شاہ صاحب کی خدمت میں پہنچا تو حسب عادت شاہ صاحب نے اس کی تعظیم دی۔ اس نے کہا کہ حضرت آپ نے مجھے تعظیم کیوں دی؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارے سید ہونے کی وجہ سے۔ اس نے کہا کہ میں تو شیعی ہوں آپ نے فرمایا کہ کیا مضائقہ ہے۔ اس پر اس نے کہا کہ آپ شیعوں کی بھی تعظیم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ سید اگر شیعی بھی ہوتا ہے تو میں اس کی تعظیم دیتا ہوں۔ اس نے کہا اس کی کیا وجہ آپ نے فرمایا اگر قرآن شریف کاتب کی غلطی سے لکھا جائے تو اس کو قرآن ہی کہیں گے گو یہ بھی کہیں گے کہ غلط ہے۔ اس پر وہ سنی ہو گیا اور جتنے اس کے ساتھ شیعہ تھے وہ بھی سنی ہو گئے۔ اور جب اس کی خبر اور شیعوں کو ہوئی تو اور بھی چند شیعہ سنی ہو گئے اور اس رئیس نے بہت دھوم کے ساتھ مٹھائی بانٹی۔

حاشیہ حکایت = ۳۹ قولہ۔ سید اگر شیعی ہوتا ہے۔ الخ **اقول** توقیر مبتدع کے لزوم کا عذر یہ ہے کہ یہ توقیر من حیث البدعت نہ تھی بھی دوسرے مقتضی سے تو کافر کا اکرام بھی وارد ہے۔ (شت)

حکایت = ۴۰ خاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب نے فرمایا کہ اور قصہ سناتا ہوں۔ اکبری مسجد جس میں شاہ عبدالقادر صاحب رہتے تھے۔ اس کے دونوں طرف بازار تھا اور اس مسجد میں دونوں طرف حجرے اور سہ دریاں تھیں ان میں سے ایک سہ دری میں شاہ عبدالقادر صاحب رہتے تھے۔ اور اپنے حجرے سے باہر سہ دری میں ایک پتھر سے کمر لگائے بیٹھا کرتے تھے۔ بازار کے آنے جانے والے آپ کو سلام کیا کرتے تھے۔ سو اگر سنی سلام کرتا تو آپ

سیدھے ہاتھ سے جواب دیتے تھے اور اگر شیعی سلام کرتا تو الٹے ہاتھ سے جواب دیتے تھے۔ یہ بیان کر کے مولوی عبدالقیوم صاحب نے فرمایا کہ میں کیا کہہ دوں۔ المومن ینظر بنور اللہ

حاشیہ حکایت = ۴۰ قولہ سیدھے ہاتھ سے الی قولہ الٹے ہاتھ سے

اقول۔ اس تفاوت کی بنا کرامت ہونا تو ظاہر ہے باقی کرامت میں جو دوام نہ ہونا مقرر ہے سو مراد دوام اختیاری کی نفی ہے اور ہاتھ سے سلام کے منہی عنہ ہونے کا شبہ ہو تو وہ غیر ضرورت میں ہے اور یہاں ضرورت ہوگی مثلاً سلام کرنے والا دور ہوتا ہوگا کہ جواب سنانے میں تکلیف ہوتی ہوگی۔ ایسی حالت میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اشارہ بالید ثابت ہے اور یا نہی کا محمل اکتفا بالاشارہ ہے اور جمع میں اجازت ہو۔ (شت)

حکایت = ۴۱ خاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب مولوی محمود پھلتی مولوی اعلم علی صاحب فرماتے تھے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے زمانے میں کسی شخص پر جن آیا۔ اس کے قرابت دار اس کو شاہ عبدالعزیز صاحب شاہ غلام علی صاحب اور دوسرے بزرگوں کے پاس لے گئے اور سب نے جھاڑ پھونک گنڈے تعویذ کیے مگر کچھ افاقہ نہ ہوا اتفاق سے شاہ عبدالقادر صاحب اس وقت دہلی میں تشریف نہ رکھتے تھے۔ جب شاہ صاحب تشریف لائے تو ان کی طرف رجوع کیا شاہ صاحب نے جھاڑ دیا وہ اسی روز اچھا ہوگیا۔ جب شاہ عبدالعزیز صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے شاہ صاحب سے پوچھا۔ میاں عبدالقادر تم نے کون سا عمل کیا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت میں نے تو صرف الحمد شریف پڑھی تھی۔ اس پر شاہ صاحب نے دریافت فرمایا کہ کسی خاص ترکیب سے؟ انہوں نے کہا کہ ترکیب کوئی نہیں۔ فقط یا جبار کی شان میں پڑھ دی تھی۔ اھ (میں نے خان صاحب سے اس جملہ کا مطلب پوچھا انہوں نے فرمایا کہ مطلب میں بھی نہیں

سمجھا۔ راویوں نے یہی الفاظ فرمائے تھے)

حاشیہ حکایت = ۴۱ قولہ مطلب میں بھی نہیں سمجھا **اقول** احقر کے ذہن میں جو بے تکلف مطلب آیا اس کو بہ سبیل احتمال عرض کرتا ہوں کہ کاملین میں ایک درجہ ہے۔ ابوالوقت کہ وہ جس وقت تجلی کو چاہیں اپنے اوپر وارد کرلیں۔ کذا سمعت مرشدیؒ۔ پس عجب نہیں کہ حضرت شاہ صاحب نے اس وقت اپنے پر جبار کی تجلی کو وارد کیا۔ ہو اس کی مظہریت کی حیثیت سے اس کو توجہ سے دفع فرما دیا۔ (شت منقول از امیر روایات)

حکایت = ۴۲ فرمایا کہ شاہ عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے وعظ میں ایک شخص کو دیکھا جس کا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے تھا۔ آپ نے بعد وعظ اس سے کہا ذرا ٹھہر جائیے۔ مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔ خلوت میں بٹھا کر یوں فرمایا کہ بھائی میرے اندر ایک عیب ہے کہ میرا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے ڈھلک جاتا ہے اور حدیث میں یہ وعیدیں آئی ہیں۔ اور آپ اپنا پاجامہ دکھلانے کے لیے کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ خوب غور سے دیکھنا کہ کیا واقعی میرا خیال صحیح ہے یا محض وہم ہے اس شخص نے شاہ صاحب کے پاؤں پکڑ لیے اور کہا کہ حضرت آپ کے اندر تو یہ عیب کیوں ہوتا البتہ میرے اندر ہے۔ مگر اس طریق سے آج تک مجھے کسی نے سمجھایا نہیں تھا۔ اب میں تائب ہوتا ہوں۔ انشاء اللہ آئندہ ایسا نہ کروں گا۔ ہمارے اکابر کا ہمیشہ سے یہی معمول رہا ہے کسی کو ذلیل نہیں سمجھتے نہایت احترام سے اس کو نصیحت کرتے ہیں۔ تشدد نہیں کرتے اور بعض میں جو اس کا شبہ ہوتا ہے وہ حدت ہے۔ شدت نہیں ہے۔ حدت کے باب میں تو حدیث میں آیا ہے۔ لیس احد اولٰی من صاحب القران من القران فی جرفہ (کذا فی المقاصد السنۃ) جس کی حقیقت غیر ہے۔ لوگ حدت اور شدت میں فرق نہیں کرتے۔ حدت اور ہے شدت اور ہے حدت لوازم ایمان سے ہے۔ مومن بہت غیرت مند

حاشیہ حکایت = ۵٦ قولہ فی آخر القصہ اس لیے اب مجھے کہنے کی ضرورت نہیں رہی۔ اقول یہ ہے اخلاص فی النیۃ والعمل کہ وعظ سے جو مقصود تھا جب دوسرے شخص کے واسطے حاصل ہو گیا۔ گو وہ عامی ہی تھا تو وعظ کے منقطع فرما دینے میں کوئی تردد نہ ہوا ورنہ طالبان جاہ اس کو کب گوارا کر سکتے ہیں۔ یہی حقیقت ہے۔ حضرت علی خواص کے اس ارشاد کی کہ علامت اخلاص کی یہ ہے کہ جو شخص کوئی دینی خدمت مثل وعظ یا بیعت تلقین کرتا ہو۔ اگر دوسرا کوئی اچھا کام کرنے والا آجائے تو یہ طالبوں کو اس کی طرف متوجہ کر دے۔ اھ یہ وہی کر سکتا ہے جس کو تصدر و تقدم و ترفع مقصود نہ ہو۔ (شت)

حکایت = ۵۷ خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ مولانا اسمٰعیل صاحب کی عادت ہنسی مذاق کی بہت تھی اس لیے وہ سید صاحب کے پاس نہ ٹھہرتے تھے۔ بلکہ الگ ٹھہرا کرتے تھے۔ اور سید صاحب کے ساتھ مولوی عبدالحئ صاحب ٹھہرتے تھے۔ جب سید صاحب کا قافلہ حج کو گیا ہے تو مولانا اسمٰعیل صاحب سید صاحب کے جہاز میں سوار نہیں ہوئے۔ بلکہ دوسرے جہاز میں سوار ہوئے۔ مولوی وجیہ الدین صاحب یعنی مولوی احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کے تایا مولوی عبدالحئ صاحب کے بھی شاگرد تھے۔ اور مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی کے بھی شاگرد تھے۔ ان کا بدن بھارا اور پیٹ بڑا تھا۔ رنگت کالی تھی۔ ابتداء میں یہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے مخالف تھے۔ اور انہوں نے تقویت الایمان کا رد بھی لکھا اور مولوی عبداللہ صاحب ایک شخص تھے جو کاندھلہ کے رہنے والے اور قوم کے ارائیں تھے۔ نہایت ذہین اور بڑے عالم تھے اور مفتی صاحب کے شاگرد تھے۔ مولوی وجیہ الدین صاحب اور مولوی عبداللہ صاحب کے درمیان ایک مرتبہ مناظرہ بھی ہوا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب تقویۃ الایمان میں شرک کی دو قسمیں کی ہیں۔ ایک جلی دوسری خفی۔

مولوی وجیہ الدین صاحب ان کو تسلیم نہ کرتے تھے۔ اس پر ان سے اور مولوی عبداللہ صاحب سے مناظرہ ہوا اور مولوی عبداللہ غالب آئے۔ اس پر مولوی وجیہ الدین صاحب مولانا شہید کی مخالفت سے تائب ہوئے۔ اور اپنی کتاب جو انہوں نے مولانا کے رد میں لکھی تھی دہلی جاکر مولانا کے سامنے پھاڑ ڈالی اور اس روز سے مولانا شہید کے عاشق زار بن گئے۔ مولوی وجیہ الدین صاحب بھی مولانا شہیدؒ کے ساتھ جہاز میں تھے اور دونوں مل کر حجاج کے لیے آٹا پیسا کرتے تھے۔ آٹا پیستے ہوئے مولانا ان کو چھیڑا کرتے تھے۔ کبھی آٹا ان کے منہ پر مل دیتے تھے کبھی پیٹ پر کبھی کوئی اور مذاق کرتے تھے۔ ان کے علاوہ مولانا اور حاجیوں سے بھی ہنسی مذاق کرتے رہتے تھے۔ میں (یعنی مولوی عبدالقیوم صاحب) اس زمانہ میں بچہ تھا اور مولانا کو مجھ سے بہت محبت تھی اس لیے مولانا اکثر مجھے اپنے پاس رکھتے تھے۔ اور جہاز میں بھی مجھے اپنے ہی ساتھ رکھا تھا۔ اس زمانہ میں بادبانی جہاز تھے۔ اور مسافروں کو روزانہ فی کس ایک بوتل پانی ملا کرتا تھا اتفاق سے ہوا ناموافق ہو گئی اور جہاز میں پانی کم ہو گیا۔ اس لیے جہاز والوں نے اعلان کیا کہ کل سے پانی آدھی بوتل ملے گا۔ دو دن تک آدھی بوتل پانی دیا۔ اس کے بعد جب پانی بالکل ختم ہو گیا تو جہاز والوں نے کہہ دیا کہ اب پانی بالکل نہیں رہا ہے۔ اس لیے ہم پانی نہیں دے سکتے۔ سب لوگ نہایت پریشان ہوئے۔ اس جہاز میں سید صاحب کے قافلہ والوں کے اور بھی بڑے بڑے لوگ سوار تھے اب ان لوگوں میں سرگوشیاں ہونے لگیں کہ یہ شخص (مولانا شہید) لوگوں سے ہنسی مذاق کرتا ہے۔ اسی کی شامت سے ہم پر یہ بلا آئی ہے۔ لہٰذا اس کو روکنا چاہیے۔ اور دعائیں کرنا چاہئیں۔ اس کی اطلاع مولوی وجیہ الدین صاحب اور دوسرے لوگوں کو ہوئی۔ مولوی وجیہ الدین معہ چند دیگر اشخاص کے ان لوگوں کے پاس پہنچے اور ان کو مولانا شہید کی عظمت و شان سے آگاہ کیا۔ اور کہا کہ یہ شامت تمہاری اس گستاخی اور بدگمانی کی ہے کہ تم ان کی نسبت ایسا خیال کرتے ہو۔ تم کو چاہیے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر

ان سے معافی چاہو اور ان سے دعا کی درخواست کرو۔ چنانچہ وہ سب لوگ آئے اور سب نے مولانا سے دعا کی درخواست کی مولانا نے فرمایا۔ تم سب لوگ دعا کرو میں بھی دعا کروں گا۔ مگر میری دعا تو مٹھائی کے بغیر چپکتی نہیں۔ اس پر ایک شخص نے وعدہ کیا کہ سب جہاز کے لوگوں کو مستقلی حلوا کھلاؤں گا۔ اس کی مقدار مجھے یاد نہیں رہی۔ مگر اتنا یاد ہے کہ فی کس پاؤ بھر سے زیادہ تھا۔ اس پر آپ نے دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر دعا کی۔ جس کا اثر اسی وقت ظاہر ہوا۔ اور ایک چشمہ شیریں پانی کا جو لمباؤ چوڑاؤ میں دو بڑی چارپائیوں کے برابر ہوگا دوڑتا ہوا آیا اور جہاز کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ مولانا نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ اس پانی کو تو دیکھو کیسا ہے۔ لوگون نے چکھا تو نہایت ٹھنڈا اور شیریں تھا اس پر سب لوگوں نے اپنے اپنے برتن بھر لئے اور جہاز والوں نے بھی اپنے ظروف خوب بھر لئے۔ جب سب بھر چکے تو وہ پانی غائب ہو گیا۔ اور اس کے بعد لوگوں نے ہوا کی موافقت کے لیے دعا کی درخواست کی۔ پھر آپ نے وہی فرمایا کہ سب دعا کرو میں شریک ہو جاؤں گا۔ مگر میری دعا بغیر مٹھائی کے نہیں چپکتی اس پر کسی رئیس نے کچھ وعدہ کیا جو مجھے یاد نہیں رہا۔ اس پر آپ نے سب لوگوں کے ساتھ مل کر موافقت ہوا کی دعا کی اور ہوا موافق ہوگئی۔ جہاز کا لنگر کھول دیا گیا۔ اور جتنے دنوں میں اچھی ہوا کی حالت میں جہاز جدہ پہنچتا تھا اس سے نصف دنوں میں ہمارا جہاز جدہ پہنچ گیا۔

حاشیہ حکایت = ۵۷ قولہ مذاق کرتے تھے اقول لا یسخر قوم من قوم کے خلاف شبہ نہ کیا جائے۔ اس کا محمل یہ ہے کہ جس سے مزاح کیا جاتا ہے اس کو حقیر سمجھا جائے۔ چنانچہ اس کی علت میں عسیٰ ان یکونو اخیر منھم ارشاد فرمانا اس کی قطعی دلیل ہے۔ اور مٹھائی کی شرط یہ بھی اسی مزاح کا ایک شعبہ ہے۔ (شت)

حکایت = ۵۸ خاں صاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے حکیم خادم علی

صاحب و حکیم عبدالسلام صاحب و مولوی سراج احمد صاحب خورجوی سے سنا ہے یہ حضرات فرماتے تھے کہ خانہ کعبہ میں مردوں اور عورتوں کا داخلہ ساتھ ساتھ ہوتا تھا۔ جب مولانا اسمٰعیل صاحب نے یہ حالت دیکھی تو وہ اور ان کے ساتھی ننگی تلواریں لے کر خانہ کعبہ پر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ اگر عورتوں کے ساتھ مرد اور مردوں کے ساتھ عورتیں داخل ہوں گی تو ہم تلوار سے سر اڑا دیں گے اس پر بہت شور و شغب ہوا مگر مولانا اور ان کے ساتھی اپنی بات پر جمے رہے اور مشترکہ داخلہ بند کرا کر چھوڑا۔ یہ قصہ میں نے یہیں تک سنا تھا۔ جب میں نے اس قصہ کو شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ بس اتنا ہی سنا ہے اس کے بعد فرمایا کہ ایک مرتبہ ملا جیون کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ اس وقت مردوں اور عورتوں کا داخلہ ساتھ ہوتا تھا مگر ملاں جیون نے اس کو روکا تھا مگر پھر معلوم نہیں یہ مشترکہ داخلہ کب سے جاری ہو گیا جس کو دوسری دفعہ مولانا شہید نے روکا۔

حاشیہ حکایت = ۵۸ قولہ ہم تلوار سے سر اڑا دیں گے۔ **اقول** یہ تہدید تھی مراد نہ تھی (شت)

حکایت = ۵۹ خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے تقویۃ الایمان اول عربی میں لکھی تھی۔ چنانچہ اس کا ایک نسخہ میرے پاس اور ایک نسخہ مولانا گنگوہی کے پاس اور ایک نسخہ مولوی نصر اللہ خاں خورجوی کے کتب خانہ میں بھی تھا۔ اس کے بعد مولانا نے اس کو اردو میں لکھا۔ اور لکھنے کے بعد اپنے خاص خاص لوگوں کو جمع کیا جن میں سید صاحب مولوی عبدالحئی صاحب، شاہ اسحٰق صاحب، مولانا محمد یعقوب صاحب، مولوی فرید الدین صاحب، مراد ابادی، مومن خاں عبداللہ خان علوی (استاذ امام بخش صہبائی و مملوک علی صاحب) بھی تھے۔ اور ان کے سامنے تقویۃ الایمان پیش کی اور فرمایا کہ میں نے یہ کتاب لکھی

ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آ گئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا ہے۔ ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی۔ اگر میں یہاں رہتا تو ان مضامین کو میں آٹھ دس برس میں بتدریج بیان کرتا لیکن اس وقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہاں سے واپسی کے بعد عزم جہاد ہے اس لیے اس کام سے معذور ہوں اور میں دیکھتا ہوں کہ دوسرا اس بار کو اٹھائے گا نہیں۔ اس لیے میں نے یہ کتاب لکھ دی ہے گو اس سے شورش ہوگی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔ یہ میرا خیال ہے اگر آپ حضرات کی رائے اشاعت کی ہو تو اشاعت کی جائے ورنہ اسے چاک کر دیا جائے۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ اشاعت تو ضرور ہونی چاہیے۔ مگر فلاں فلاں مقام پر ترمیم ہونی چاہیے۔ اس پر مولوی عبدالحیٔ صاحب شاہ اسحق صاحب اور عبداللہ خاں علوی و مومن خاں نے مخالفت کی اور کہا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں اس پر آپس میں گفتگو ہوئی اور گفتگو کے بعد بالاتفاق یہ طے پایا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں ہے اور اسی طرح شائع ہونی چاہیے۔ چنانچہ اس کی اشاعت اسی طرح ہوئی۔ اشاعت کے بعد مولانا شہید حج کو تشریف لے گئے اور حج سے واپسی کے بعد چھ مہینے دہلی میں قیام رہا۔ اس زمانہ میں مولانا اسمٰعیل گلی کوچوں میں وعظ فرماتے تھے۔ اور مولوی عبدالحیٔ صاحب مساجد میں چھ مہینے کے بعد جہاد کے لیے تشریف لے گئے۔ یہ قصہ میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب اور اپنے استاد میاں جی محمدی صاحب وغیرہ سے سنا ہے۔

حاشیہ حکایت = ۵۹ **قولہ** تشدد بھی ہو گیا ہے **اقول** اس تشدد فی العلاج کا سبب مرض کا شدید ہونا ہے۔ **قولہ** ورنہ اسے چاک کر دیا جائے۔ **اقول** ایسے بزرگ پر تشدد یا اصرار یا استبداد کا شبہ اگر ظلم نہیں تو کیا ہے (شت)

حکایت = ۶۰ خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی گنگوہی تقویت الایمان کی

نسبت فرماتے تھے کہ اس سے بہت ہی نفع ہوا چنانچہ مولوی اسمٰعیل صاحب کی حیات ہی میں دو ڈھائی لاکھ آدمی درست ہو گئے۔ اور ان کے بعد جو کچھ نفع ہوا اس کا تو اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔

حاشیہ حکایت = ۶۰ قولہ بہت ہی نفع ہوا۔ **اقول** اس پر مولانا رومی کا ارشاد یاد آگیا۔

کعبہ راہرم دم تجلی می فزود
ایں زا خلاصات ابراہیم بود
(شت)

حکایت = ۶۱ خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی تبارک اللہ صاحب الدھن کے رہنے والے ایک شخص تھے جو بہت بڈھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ اورنگ آباد میں وعظ کہا۔ وعظ کے بعد ان سے لوگوں نے پوچھا کہ تقویتہ الایمان کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں۔ میں اس جلسہ میں موجود تھا میرے سامنے مولوی تبارک اللہ صاحب نے فرمایا۔ کہ جب تقویتہ الایمان شائع ہو کر الدھن میں آئی ہے تو لوگوں میں اس کا چرچا ہوا۔ کچھ لوگ مخالف ہوئے اور کچھ موافق اور آپس میں بحث مباحثہ اور گفتگوئیں ہوئیں اس وقت میرے چچا حیات تھے۔ جو بہت ضعیف العمر تھے۔ آنکھوں سے بھی کم دکھائی دیتا تھا۔ اور کانوں سے بھی اونچا سنتے تھے۔ انہوں نے جو یہ رنگ دیکھا تو ایک مرتبہ فرمایا کہ لڑکوں میں چند روز سے دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ کچھ ورق ہاتھ میں لئے ہوئے بحث مباحثہ کرتے ہو۔ ہمیں تو بتلاؤ کہ کیا بات ہے۔ ہم لوگوں نے کہا کہ جناب ایک کتاب شائع ہوئی ہے اس پر یہ بحث مباحثے ہوتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ وہ کتاب مجھے سناؤ۔ ہم نے تقویتہ الایمان اول سے لے کر آخر تک سنائی۔ اس کو سن کر آپ نے فرمایا کہ سب بستی کے لوگوں کو جمع کر لو۔ اس وقت میں اپنی رائے ظاہر کروں گا۔ ہم لوگوں نے لوگوں کو جمع کیا جب سب لوگ جمع ہو

گئے تو آپ نے فرمایا کہ میں اب تک دنیا کی حالت دیکھتا رہا اور جو کچھ لوگ کہہ رہے تھے اور کر رہے تھے ان کی باتیں بالکل میرے جی کو نہ لگتی تھیں۔ اور میں سمجھتا تھا کہ دنیا اس وقت گمراہی میں مبتلا ہے اور میرا جی ان باتوں کو ڈھونڈتا تھا۔ مگر کنویں میں بھانگ پڑی ہوئی تھی نہ کسی کو دین کی خبر تھی نہ کوئی بتلانے والا تھا۔ مولوی اسمٰعیل کا احسان ہے کہ انہوں نے پانی اور بھانگ کو الگ کر دیا۔ اور سیدھا راستہ بتلا دیا اب تمہیں اختیار ہے چاہے مانو چاہے نہ مانو اور بھانگ ہی پئے جاؤ۔

حاشیہ حکایت = ۶۱ قولہ پانی کو اور بھانگ کو الخ **اقول** کیا اچھا فیصلہ ہے۔

حکایت = ۶۲ خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی فرماتے تھے کہ اطراف لکھنؤ میں ایک عالم رہتے تھے جو بڑے عالم تھے۔ (مولانا نے ان کا نام بھی لیا تھا مگر مجھے یاد نہیں رہا) یہ عالم ایک مسجد میں رہتے تھے۔ اور مسجد کی جنوبی جانب ایک سہ دری تھی۔ اس میں پڑھایا کرتے تھے۔ مولوی فضل رسول بدایونی ظہر کی نماز سے پہلے یا عصر کی نماز سے پہلے ان کی خدمت میں پہنچے اور ان کو اپنی تحریرات سنائیں۔ جو انہوں نے مولانا شہید کے رد میں لکھی تھیں اور ان سے ان کی تصدیق اور مولانا شہید کی تکفیر چاہی۔ اتنے میں جماعت تیار ہوگئی مولوی صاحب نے فرمایا کہ پہلے نماز پڑھ لیں پھر غور کریں گے۔ مولوی فضل رسول کے ساتھ ایک شخص بھی تھا۔ مولوی' صاحب اور مولوی فضل رسول تو نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ ان کا ساتھی نہیں اٹھا اور بیٹھا ہوا حقہ پیتا رہا۔ جب مولوی صاحب نماز پڑھ کر تشریف لائے تو اسے حقہ پیتے ہوئے دیکھا۔ اس پر مولوی صاحب نے مولوی فضل رسول سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ میرے عزیز ہیں۔ مولوی صاحب نے پوچھا کہ یہ تمہارے

ساتھ کتنے دنوں سے ہیں۔ انہوں نے مدت بتائی اس پر مولوی صاحب نے فرمایا کہ تکفیر کا ارادہ میرا پہلے بھی نہ تھا مگر اتنا ارادہ تھا کہ کچھ آپ کے موافق لکھ دوں گا۔ مگر الحمدللہ کہ اس وقت نماز کی برکت سے مجھ پر ایک حقیقت منکشف ہوئی وہ یہ کہ یہ شخص تمہارا عزیز بھی ہے اور اتنی مدت سے تمہارے ساتھ بھی ہے مگر باوجود اس کے تم اسے مسلمان (نمازی) بھی نہ بنا سکے۔ اور مولوی اسمٰعیل جس طرف کو نکل گئے ہزاروں کو دیندار بنا گئے۔ پس قابل تکفیر تم ہو نہ کہ مولوی اسمٰعیل۔ لہٰذا تم میرے پاس سے چلے جاؤ۔ میں کچھ نہ کہوں گا اس پر وہ بے نیل و مرام واپس ہو گئے۔ یہ قصہ بیان کر کے خان صاحب نے فرمایا کہ میں اس شخص سے ملا ہوں جو مولوی فضل رسول کے ساتھ تھا۔ حالانکہ وہ بڈھا ہو گیا تھا مگر بڑھاپے تک بے نماز تھا۔ اور دنیا کی تمام بازیوں مثل کبوتر بازی، بیٹر بازی، مرغ بازی وغیرہ میں ماہر تھا۔

حاشیہ حکایت = ۶۲ قولہ پس قابل تکفیر الخ **اقول** اس بنا پر نہیں کہ تمہارا اثر ساتھی پر نہ ہوا۔ بلکہ اس بنا پر کہ اتنے بڑے خادم اسلام کی تکفیر کی جو بروئے حدیث موجب تکفیر ہے۔ پس حدیث کے جو معنیٰ بھی ہیں اس معنیٰ کو یہ قابلیت بھی ہے تکفیر کی۔ (ش ت)

حکایت = ۶۳ خان صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے شاہ عبدالرحیم صاحب نے بروایت مولانا گنگوہی بیان فرمایا کہ سید صاحب کے قافلہ کا ریاست رامپور جانے کا ارادہ ہوا۔ یہ زمانہ نواب احمد علی خاں کا تھا۔ جب علمائے رامپور کو اس ارادہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو سید صاحب کے لوگوں کو بالخصوص مولوی اسمٰعیل صاحب کو نیچا دکھایا جائے اور مشورہ سے ایک عالم صاحب کو گفتگو کے لیے منتخب بھی کر لیا گیا۔ اس زمانہ میں رامپور میں ایک صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد تھے جو رامپور ہی کے

باقی علیک کی تصریح نہ کرنا مصلحت سے ہو گا کہ جب اہل مخاطب کو اس سے اور وحشت ہوتی کہ بے ادب اور متشدد ہیں۔ (شت)

حکایت = ۲۷ خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلوی (مولوی یحیٰی صاحب کے والد) اور مولوی عبدالرحیم صاحب (رانڈوں کی شادی والے) بیان کرتے تھے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید کا قاعدہ تھا کہ جہاں کہیں کوئی میلا ہوتا خواہ ہندوؤں کا ہو یا مسلمانوں کا یا کوئی اور مجمع ہوتا جیسے ناچ کی محفل یا قوالی کی محفل تو آپ وہاں پہنچتے اور کھڑے ہو کر وعظ فرماتے۔ اور اس کا یہ اثر ہوتا کہ جہاں ناچ یا قوالی وغیرہ کی محفل ہوتی اور آپ وہاں وعظ فرماتے تو اکثر لوگ محفل کو چھوڑ کر آپ کے وعظ میں آجایا کرتے تھے۔ آپ حضرت نظام الدین اولیاء میں بھی پہنچتے تھے اور وہاں بھی وعظ فرماتے تھے۔ اور وہاں بھی یہی اثر ہونے لگا تھا۔ جب مجاوروں نے یہ رنگ دیکھا تو ان کو سخت ناگوار ہوا اور انہوں نے مشورہ کیا کہ مولوی اسمٰعیل کو کس طرح قتل کر دینا چاہیے۔ اس پر ایک بڈھے نے آپ کے قتل کا بیڑہ اٹھایا اور کہا کہ میں ان کو قتل کروں گا غرض یہ طے پا گیا۔ ایک روز مولانا شہید جامع مسجد کے بیچ کے در میں وعظ فرما رہے تھے کہ اس بڈھے نے مولانا پر تلوار کا وار کیا سو مولانا تو بچ گئے مگر وہ تلوار ان کے ایک دوست کے لگی اور ان کا شانہ زخمی ہو گیا۔ (خان صاحب نے فرمایا کہ راویوں نے ان کے دوست کا نام بھی لیا تھا مگر مجھے یاد نہیں رہا) اس پر مولانا کے دوست اس بڈھے کو لپٹ گئے اور تھپڑ وغیرہ مارے مولانا نے بڈھے کو چھڑا دیا اور کوئی مقدمہ نہیں چلایا۔

حاشیہ حکایت = ۲۷ قولہ چھڑا دیا۔ **اقول** حیلولة بین المظلوم والانتقام کا شبہ[۱] نہ کیا جائے کیونکہ یہ انتقام اپنی مظلومیت کا نہ تھا مولانا کے

---

[۱] یہ ایک شبہ کا جواب ہے۔ شبہ یہ ہوتا ہے کہ بظاہر وہ لوگ اس شخص کا انتقام لے رہے تھے جس کو تلوار سے زخم پہنچا تھا اور اس لیے انتقام ان کا شرعی حق تھا۔ پس مولانا کا اس بڈھے (باقی اگلے صفحہ پر)

لیے تھا اور یہ متیقن تھا کہ مولانا کے خلاف وہ دوست نہ کریں گے۔ (شت)

حکایت = ۴۳ خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ شاہ اسحاق صاحب بیان فرماتے تھے کہ جب مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع الیدین شروع کیا تو مولوی محمد علی صاحب و مولوی احمد علی صاحب نے جو شاہ عبدالعزیز کے شاگرد تھے۔ اور ان کے کاتب تھے۔ شاہ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع الیدین شروع کیا ہے۔ اور اس سے مفسدہ پیدا ہوگا۔ آپ ان کو روک دیجیے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں تو ضعیف ہو گیا ہوں مجھ سے تو مناظرہ نہیں ہو سکتا۔ میں اسمٰعیل کو بلائے لیتا ہوں تم میرے سامنے اس سے مناظرہ کر لو۔ اگر تم غالب آگئے تمہارے ساتھ ہو جاؤں گا اور وہ غالب آگیا تو اس کے ساتھ ہو جاؤں گا۔ مگر وہ مناظرہ پر آمادہ نہ ہوئے اور کہا کہ حضرت ہم تو مناظرہ نہ کریں گے۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب تم مناظرہ نہیں کر سکتے تو جانے دو۔ شاہ صاحب نے یہ جواب دیا تو میں سمجھا کہ شاہ صاحب نے اس وقت دفع الوقتی فرما دی ہے۔ مگر یہ مولوی اسمٰعیل سے کہیں گے ضرور۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور جب شاہ عبدالقادر صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ میاں عبدالقادر تم اسمٰعیل کو سمجھا دینا کہ وہ رفع الیدین نہ کیا

(گذشتہ حوالہ) کو چھڑانا اور انتقام سے روکنا خلاف شرع ہوا کہ دوسروں کو ان کے حق شرعی سے محروم رکھا جواب کا حاصل یہ ہے کہ مولانا کو قرائن سے معلوم تھا کہ ان کا مقصود زخمی کا انتقام نہ تھا۔ بلکہ مولانا کا انتقام تھا۔ کہ اس نے مولانا پر ناحق حملہ کیوں کیا۔ پس مولانا کا انتقام سے روکنا اپنے حق کو معاف کرنا ہے۔ جو شرعاً نہایت مستحسن ہے دوسرا جواب علی سبیل التنزیل ہے کہ اگر مان لیا جائے کہ وہ زخمی کا بھی انتقام لے رہے تھے۔ تو مولانا کا چھڑانا اس وجہ سے تھا کہ تعلقات کی بنا پر مولانا کو اپنی سفارش کے بعد طیب خاطر سے معاف کر دینے کا یقین تھا۔ ۱۲ ظہور الحسن کسولوی غفرلہ۔)

کریں۔ کیا فائدہ ہے خواہ مخواہ عوام میں شورش پیدا ہوگی۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا کہ حضرت میں کہہ دوں مگر وہ مانے گا نہیں اور حدیثیں پیش کرے گا۔ اس وقت بھی میرے دل میں یہی خیال آیا کہ گو انہوں نے اس وقت یہ جواب دے دیا ہے مگر یہ بھی کہیں گے ضرور۔ چنانچہ یہاں بھی میرا خیال صحیح ہوا اور شاہ عبدالقادر صاحب نے مولوی محمد یعقوب صاحب کی معرفت مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہلایا کہ تم رفع الیدین چھوڑ دو۔ اس سے خواہ مخواہ فتنہ ہوگا۔ جب مولوی محمد یعقوب صاحب نے مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر عوام کے فتنہ کا خیال کیا جاوے تو اس حدیث کے کیا معنی ہوں گے من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید کیونکہ جو کوئی سنت متروکہ کو اختیار کرے گا۔ عوام میں ضرور شورش ہوگی۔ مولوی محمد یعقوب صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب سے ان کا جواب بیان کیا اس کو سن کر شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا۔ بابا ہم تو سمجھے تھے کہ اسمٰعیل عالم ہوگیا مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہ سمجھا یہ حکم تو اس وقت ہے جبکہ سنت کے مقابل خلاف سنت ہو اور مانحن فیہ میں سنت کا مقابل خلاف سنت نہیں بلکہ دوسری سنت ہے کیونکہ جس طرح رفع الیدین سنت ہے یوں ہی ارسال بھی سنت ہے۔ جب مولوی محمد یعقوب صاحب نے یہ جواب بھی مولوی اسمٰعیل صاحب سے بیان کیا تو وہ خاموش ہوگئے۔ اور کوئی جواب نہ دیا۔

حاشیہ حکایت = ۴۳ قولہ یہ حکم اس وقت ہے الخ اقول اس وقت بے ساختہ زبان پر یہ آتا ہے وفوق کل ذی علم علیم۔

حکایت = ۴۴ خاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب اور مولوی فضل حق صاحب سے تحریری مناظرہ ہو رہا تھا تو مولوی اسمٰعیل صاحب کا قاعدہ تھا کہ جب آپ کے پاس مولوی فضل حق صاحب کی تحریر پہنچی تو فوراً جواب

ہے۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

مولانا شاہ محمد یعقوب دہلوی مہاجر کی حکایات

حکایت = ۱۰۵ خان صاحب نے فرمایا کہ دلی کے ایک شہزادے نے جس کا نام اس وقت مجھے یاد نہیں رہا مجھ سے خود اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے مکہ معظمہ میں خواب میں دیکھا کہ ایک گٹھڑی آسمان سے میری طرف آ رہی ہے۔ میں نے اٹھ کر اس گٹھڑی کو لپک کر جا لیا۔ جب وہ میرے ہاتھ میں آئی تو اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ گٹھڑی نہیں ہے بلکہ ذبح شدہ اور کھال اتری ہوئی مسلم مرغی ہے جس کے پنجے بھی موجود ہیں اور وہ پانی میں تر ہے۔ اس خواب کو میں نے عرض کیا کہ حضرت اس کی تعبیر فرما دیجیے۔ تب آپ نے فرمایا کہ تمہاری بیوی کو حمل ہے۔ مجھے حمل کا علم نہ تھا۔ بیوی سے تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ واقعی حمل ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت واقعی حمل ہے تو آپ نے فرمایا کہ لڑکی پیدا ہوگی مگر پانی کے صدمے سے مر جائے گی۔ جب ایام حمل ختم ہوئے تو لڑکی ہی پیدا ہوئی۔ جب ہم واپسی میں جہاز میں سوار ہوئے تو ایک مقام پر سمندر میں طغیانی ہوئی اور اس کی چھال مجھ پر اور اس کی ماں پر اور لڑکی پر گری لڑکی دو تین سبکیاں لے کر مر گئی۔

حاشیہ حکایت ۱۰۵ قولہ سبکیاں لے کر مر گئی **اقول** مولانا اپنے وقت کے ابن سیرین تھے۔ (شت)

حکایت = ۱۰۶ خان صاحب نے فرمایا کہ اسی شہزادے نے بیان کیا کہ میرے ایک عزیز نے خواب دیکھا کہ میں جمنا پر کھڑا ہوں اور جمنا کی سیر کر رہا ہوں اتنے میں میرے منہ سے ایک کبوتر نکلا جو نہایت خوبصورت اور حسین تھا اور ایک درخت پر جا بیٹھا اور میری طرف منہ کر کے بولنے لگا۔ میں نے خواب کو چھوٹے میاں

مولوی شاہ محمد عمر صاحبزادہ مولوی شہیدؒ کی حکایات

حکایت = ۱۳۳ خاں صاحب نے فرمایا کہ میں اپنے بچپن کے زمانہ میں نواب مصطفیٰ خاں کے مکان پر اپنے پھوپھا کے ساتھ موجود تھا اور وہاں مفتی صدر الدین خاں اور مرزا غالب بھی موجود تھے مفتی صدر الدین خاں صاحب نے مولوی محمد عمر صاحب ابن جناب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید کا ایک قصہ بیان فرمایا اور فرمایا کہ یہ مشہور تھا کہ مولوی محمد عمر صاحب کو جناب رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی بہت زیارت ہوتی ہے۔ اسپر میں اور امام صاحب جامع مسجد اور دوسرے اشخاص نے اصرار کیا کہ ہم کو بھی زیارت کرا دیجئے مگر مولوی محمد عمر صاحب نے منظور نہ کیا۔ لیکن ہم نے اپنا اصرار برابر جاری رکھا۔

ایک مرتبہ میں نے خواب میں دیکھا کہ جناب رسول اللہ علیہ وسلم جامع مسجد کے منبر پر تشریف فرما ہیں اور مولوی محمد عمر صاحب آپ کو مور چھل جھل رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ صدر الدین آؤ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر لو۔ اور بعینہ یہی خواب امام صاحب نے دیکھا اور بعینہ اسی طرح ان دوسرے صاحب نے دیکھا۔ جب صبح ہوئی تو میں امام صاحب کی طرف چلا تاکہ ان سے یہ خواب بیان کروں اور وہ اپنا خواب بیان کرنے کے لئے میری طرف چلے اور وہ دوسرے اشخاص بھی ہماری طرف چلے اتفاق سے راستے میں ایک مقام پر ہم سب مل گئے اور میں نے کہا کہ میں تمہارے پاس جا رہا تھا۔ رات میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا ہم تمہارے پاس آ رہے تھے ہم نے بھی بعینہ یہی خواب دیکھا ہے۔ اب ہم سب مل کر مولوی محمد عمر صاحب کے مکان پر آئے تو اس وقت مولوی صاحب اپنے مکان کے سامنے ٹہل رہے تھے۔ ہم نے ان سے یہ خواب بیان کیا تو انہوں کہا کہ نہیں۔ میں ایسا نہیں ہوں اور یہ کہتے ہوئے بھاگ گئے۔

حاشیہ حکایت = ۱۳۳ یہ مولوی محمد عمر صاحب مجذوب تھے اس لئے ان کے ان افعال کی کہ ایک ہی رات میں سب کو ایک ہی خواب نظر آنا اور یہ کہنا

کہ میں ایسا نہیں ہوں اور بھاگ جانا حقیقت معلوم ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ ضرورت سالکین کے اقوال و افعال میں ہوئی ہے(شت)

حکایت = ۱۳۴ خاں صاحب نے فرمایا کہ اسی مجلس میں نواب مصطفٰے خاں نے اپنا قصہ بیان کیا کہ ہم چند احباب جن میں مرزا غالب بھی تھے اپنے بالا خانے پر بیٹھے ہوئے تھے اور بلامزامیر کے گانا ہو رہا تھا۔ اتفاق سے مومن خاں کہیں سے مولوی عمر صاحب کو پکڑ لائے وہ یہ کہتے جاتے تھے کہ مجھے چھوڑ دو۔ مجھے چھوڑ دو مگر مومن خاں نہیں مانتے تھے۔

آخر لا کر اس مجلس میں ان کو بٹھا دیا۔ گانا برابر ہوتا رہا۔ تھوڑی دیر میں مولوی محمد عمر صاحب نے ایک بہت ہی معمولی سی حرکت کی اس کے اثر سے سارا مکان ہل گیا۔ اس پر سب کو شبہ ہو گیا۔ یہ بھی خیال ہوا کہ شاید ان کی جنبش کا اثر ہوا اور یہ بھی شاید زلزلہ ہوا اس پر سب کی توجہ مولوی محمد عمر صاحب کی طرف ہو گئی۔ تھوڑی دیر میں انہوں نے دوبارہ حرکت کی جو پہلی حرکت سے زیادہ تھی۔ اس سے مکان پھر ہل گیا اور پہلے سے زور سے ہلا اب تو یقین ہو گیا کہ یہ انہی کی حرکت کا اثر ہے تھوڑی دیر میں ذرا اور زور سے حرکت کی تو اس سے مکان کو اور زور سے حرکت ہوئی اور کڑیاں بھی بول گئیں اور طاقوں وغیرہ میں جو شیشہ آلات رکھے تھے وہ کھن کھن کھن کرنے لگے۔ اس پر کسی نے کہا مولوی محمد عمر یہ کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے مت بٹھاؤ۔ اور یہ کہہ کر اٹھ کر چل دیئے۔

حاشیہ حکایت = ۱۳۴ یہاں بھی اسی مضمون کا اعادہ کرتا ہوں جو حاشیہ حکایت بالا میں گذرا۔ (شت) (منقول از امیر الروایات)

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفرلہ

حکایت = ۱۳۵ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا شاہ محمد عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

صاحب سے بھی فرمایا کہ مولانا آپ کے والد صاحب کی اجازت نہیں ہے آپ بھی رخصت ہو لیجئے۔ غرض سید صاحب نے ان کو رخصت کیا اور رخصت کر کے تشریف لے چلے۔ جب آپ تشریف لے چلے تو مولوی صاحب بیتاب ہو گئے اور یہ کہہ کر کہ ہائے سید صاحب مجھے چھوڑ گئے سر پر خاک ڈالنی شروع کی اور زمین پر لوٹنے لگے۔ جب ان کے والد صاحب نے ان کا یہ اضطراب دیکھا تو مجبوراً ان کو اجازت دینی پڑی۔ جب ان کے والد نے اجازت دے دی تو وہ بھاگے اور بھاگ کر سید صاحب سے جا ملے۔ یہ قصہ میں نے مولوی عبد القیوم صاحب سے سنا ہے۔

حاشیہ حکایت = ۱۴۱ قولہ آپ کے والد صاحب کی اجازت نہیں الخ
اقول غیر واجبات میں والد کی اطاعت مقدم ہے شیخ کی اطاعت پر اور شیخ کامل بھی اسی ترتیب کا حکم دیتا ہے۔ (شت)

حکایت = ۱۴۲ خاں صاحب نے فرمایا کہ مولنا گنگوہی اور مولوی عبد القیوم صاحب نے فرمایا کہ سید صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب کبھی دینی معاملہ میں مولوی عبد الحی صاحب کو غصہ آتا ہے تو اس وقت انوار الہیہ کی بارش ہوتی ہے اور جب کبھی مولوی صاحب کو غصہ آتا تھا تو سید صاحب مولوی صاحب کے پیچھے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مولوی عبد الحی صاحب سید صاحب کے لشکر میں قاضی تھے۔ اور مقدمات کا فیصلہ کرنا اور عاملوں کا مقرر کرنا آپ کے متعلق تھا۔ ایک مرتبہ کسی ولائتی نے کسی ہندوستانی کے تھپڑ مار دیا۔ اس نے مولوی صاحب کے یہاں نالش کی۔ مولوی صاحب نے فیصلہ کیا کہ مدعی مدعاعلیہ کے تھپڑ مارے مگر اس ولایتی مدعاعلیہ نے اس فیصلہ کو منظور نہ کیا۔ اس پر مولوی صاحب کو نہایت غصہ آیا اور جوش غیظ میں کھڑے ہو گئے۔ سید صاحب حسب عادت آپ کے پیچھے کھڑے تھے۔ جب آپ نے یہ رنگ دیکھا تو آپ نے خیال کیا کہ مبادا بات بڑھ جائے اور ولایتی لوگ بگڑ جائیں اور جہاد کا معاملہ مختل ہو جائے اور یہ خیال کر کے مدعی کو اشارہ سے بلایا اور بلا کر اس سے کہا تو مولوی

صاحب سے کہہ دے کہ میں نے خدا کے واسطے اپنا حق اپنے مسلمان بھائی کو معاف کیا۔ اس نے مولوی صاحب سے اسی طرح کہہ دیا اس کے یہ کہتے ہی مولوی صاحب کا غصہ بالکل فرو ہو گیا۔ اور ایسے ہو گئے جیسا کہ غصہ آیا ہی نہ تھا۔

حاشیہ حکایت ۱۴۲ = قولہ انوار الٰہیہ الخ **اقول** غضب اللہ میں انوار ہوتے ہیں۔ اور حدیث میں جو غضب کو مفسد ایمان فرمایا ہے۔ وغضب النفس ہے۔ (شت)

حکایت ۱۴۳ = خاں صاحب نے فرمایا کہ سفرحج میں یا جہاد میں مولوی عبد الحی صاحب کی بیوی ان کے ساتھ تھیں اور دوسرے لوگوں کی بیویاں بھی ان کے ساتھ تھیں۔ ایک مقام پر پردہ کا انتظام کر کے انہوں نے اپنی بیوی کو اتارا اور اس سے نماز پڑھوائی۔ اور ساتھیوں سے فرمایا کہ صاحبو! دیکھ لو۔ عبد الحی کی بیوی نماز پڑھ رہی ہے۔ اس پر اور لوگوں نے بھی اپنی اپنی بیویوں سے نماز پڑھوائی۔

حاشیہ حکایت ۱۴۳ = قولہ دیکھ لو۔ **اقول** میں نے کسی سے سنا ہے کہ وہ برقعہ میں تھیں۔ یہ لفظ دیکھ لو بھی اس پر دال ہے۔ مطلب یہ تھا کہ عرفی پردہ ایسے موقع پر نہیں ہے۔ شرعی پردہ کافی ہے۔ کیونکہ بہلی میں نماز کی کوئی صورت نہیں۔ قیام ممکن نہیں اور قعود جائز نہیں (شت)

حکایت ۱۴۴ = خاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبد الحی صاحب جہاد میں شہید نہیں ہوئے بلکہ اپنی موت سے انتقال فرمایا ہے۔ جب ان کا انتقال ہونے لگا ہے تو انہوں نے سید صاحب سے عرض کیا کہ سید صاحب شہادت تو میری قسمت میں نہ ہوئی اب اتنی تمنا ہے کہ آپ اپنا قدم مبارک میرے سینہ پر رکھ دیجئے۔ کہ اسی حالت میں میری جان نکل جائے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ میرا پاؤں اس قابل کہاں ہے کہ آپ کے سینہ پر ہو اور آپ نے ان کی تسلی کے لیے اپنا ہاتھ ان کے سینہ پر رکھ دیا۔ اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا۔

فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ لو یہ لڈو لے کر جاؤ اور کالا آم کے پہاڑ میں بیٹھ کر اپنا کام کرو چنانچہ بموجب ارشاد چھ ماہ کالا آم کے پہاڑ میں یاد الٰہی کے اندر مصروف رہے۔ اور درختوں کے پتے کھا کر گزارا کیا۔ چھ ماہ کے بعد وہ لڈو لے کر پنجلاسہ آئے ان کے پہنچنے سے پہلے شاہ صاحب کا بھی انتقال ہو گیا تھا۔ ان سے بھی مجاز نہ ہوئے۔

آخر سید احمد صاحبؒ بریلوی جب سہارنپور تشریف لائے تو حضرت حاجی صاحبؒ بھی حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ مجھے اجازت فرمائیں میں ذکر شغل حضرات قادریہ و چشتیہ کے کر چکا ہوں۔ سید صاحب نے فرمایا کہ جب تک ہم سے بیعت نہ ہو گے ہم تمہیں اجازت نہ دیں گے۔ بموجب ارشاد سید صاحبؒ آخر بیعت ہوئے اور حضرت سید صاحب نے انکو مجاز فرمایا۔ حضرت حاجی صاحب شہید فرمایا کرتے تھے کہ سید صاحب میں انوار شریعت بہت زیادہ ہیں۔ جب دونوں حضرات مراقب ہوتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب شہید ہنستے تھے۔ اور سید صاحب خاموش رہتے تھے۔

حکایت ۱۵۰ = ایک دن ارشاد فرمایا کہ خانقاہ پنجلاسہ میں جو تالاب ہے اس کو حضرت حاجی صاحب شہیدؒ نے اپنے ہاتھ سے کھودا ہے۔ پیر جیو محمدؒ جعفر صاحب ساڈھوری نے عرض کیا کہ حضرت پہلے تمام سال تک اس تالاب میں پانی بکثرت رہتا تھا۔ دوسرے تالاب سارے سوکھ جاتے مگر اس کا پانی خشک ہوتا کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مگر اب دس بارہ برس ہوئے کہ اس تالاب کو گاؤں والوں نے صاف کیا۔ اور مٹی نکال کر اس کو گہرا کر دیا ہے اس وقت سے یہ بات جاتی رہی۔ اب تو برسات برسات پانی نظر آتا ہے اور بعد میں سوکھ جاتا ہے۔ برسات کے بعد ایک ماہ پورا بھی اس تالاب میں پانی نہیں رہتا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا ہاں جو بات اس تالاب میں تھی وہ جاتی رہی۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

حضرت میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانوی قدس کی حکایات

حکایت ۱۵۱ = خاں صاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی نے فرمایا یا مولانا نانوتوی نے (اچھی طرح یاد نہیں۔ مگر سنا انہی میں سے کسی ایک سے ہے) کہ ایک شخص نہایت خوش گلو تھے اور نعت وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ کسی نے میاں جی نور محمد صاحب سے عرض کیا کہ حضرت' یہ شخص خوش گلو ہے اور نعت پڑھتا ہے۔ آپ بھی سن لیجئے۔ آپ نے فرمایا لوگ مجھے کبھی کبھی امام بنا دیتے ہیں۔ اور غنا بلا مزامیر میں بھی علماء کا اختلاف ہے اور اس لیے اس کا سننا خلاف احتیاط ہے۔ لہٰذا میں اس کے سننے سے معذور ہوں۔

حاشیہ حکایت ۱۵۱ قولہ امام بنا دیتے ہیں۔ اقول کس قدر ادب ہے' منصب امامت کا کہ اختلافات سے بھی احتیاط کی۔ یہ تھے صوفی صافی کہ شریعت کا اس قدر پاس فرماتے تھے۔ (ش) (منقول از امیر الروایات)

حکایت = ۱۵۲ فرمایا کہ جھنجھانہ میں ایک صاحب کشف آئے اور حضرت میاں جیوؒ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ بعد میں انہوں نے کہا کہ افسوس کس ظالم نے ان کو امام سید محمود کے پاس دفن کر دیا۔ یہ یہاں ادب کی وجہ سے اپنے انوار رو کے ہوئے ہیں۔ اگر کسی ویرانے میں ہوتے تو ضیا ان کے انوار سے جگمگاتی اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کی ہڈیاں نکال کر دوسری جگہ دفن کرتا۔ پھر ان کے انوار و برکات کا مشاہدہ ہوتا۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی قدس اللہ سرہ کی حکایات

حکایت = ۱۵۳ خاں صاحب نے فرمایا کہ ایک شخص پنجابی ڈاکٹر مکہ معظمہ گیا تھا حافظ .... کی بیوی سے ان کا نکاح ہو گیا تھا۔ اس نکاح میں کچھ باتیں حضرت حاجی صاحب کی طبیعت کے خلاف بھی ہوئی تھیں اور یہ ڈاکٹر کچھ اچھا آدمی

بھی نہیں تھا۔ چنانچہ میں اس کو مکہ جانے سے پہلے سے جانتا تھا۔ اس ڈاکٹر نے ایک مرتبہ گستاخانہ طور پر حضرت حاجی صاحب سے کہا۔ کہ مجھے آپ کے اندر کوئی کمال نظر نہیں آتا۔ رہی آپ کی شہرت سو یہ مولوی رشید احمد اور مولوی محمد قاسم صاحب کی وجہ سے ہوئی ہے۔ پھر مجھے حیرت ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب آپ سے کس طرح بیعت ہو گئے۔ اللہ رے نفوس قدسیہ کہ اس کو سن کر ذرا تغیر نہیں ہوا۔ اور مسکرا کے فرمایا کہ ہاں بھائی بات تو ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے خود بھی حیرت ہے کہ یہ حضرات میرے کیوں معتقد ہوئے اور لوگ مجھے کیوں مانتے ہیں۔

حاشیہ حکایت = ۱۵۳ قولہ ہاں بھائی بات تو ٹھیک کہتے ہو اقول یہ شبہ نہ کیا جائے کہ غیر ٹھیک کو کیسے ٹھیک فرما دیا اور ٹھیک بات کیوں نہ بتلا دی بات یہ ہے کہ چونکہ ان حضرات کی نظر ہمیشہ کمالات موجودہ سے آگے کے کمالات پر ہوتی ہے۔ ان کے اعتبار سے اپنے کمالات موجودہ کو کمال نہیں سمجھتے اس اعتبار سے نفی کمال کو ٹھیک فرما دیا۔ باقی اصلی بات کا نہ بتلانہ اس کی وجہ نااہل سے غیرت فی الدین ہے۔ کماقال الشیرازی

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی
بگزار تا بمیرد و رنج و خود پرستی
(شت)

حکایت ۱۵۴ = خاں صاحب نے فرمایا کہ پھلاوَدہ ضلع میرٹھ میں لاوڑ کے قریب ایک مقام ہے وہاں کے رہنے والے ایک شخص تھے۔ جن کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ یہ صاحب حافظ عبد الغنی صاحب کے (جو پھلاوَدہ کے رہنے والے اور مولوی احمد صاحب امروہی کے شاگرد ہیں) دادا کے چھوٹے بھائی تھے۔ اور رئیس بھی تھے۔ ان صاحب نے مجھ سے بیان فرمایا کہ جو بچہ بکری کا پیدا ہوتا تھا میں اس کی اون کتروا لیتا تھا۔ اس طرح میں نے اون جمع کروا کے حاجی صاحب کے لیے

ایک کملی بنوائی۔ اور اس وقت تک میں حاجی صاحب کی زیارت سے مشرف نہ ہوا تھا۔ بلکہ غائبانہ طور پر معتقد تھا۔ جب میں حج کے لیے گیا تو اس کملی کو اپنے ساتھ لے گیا۔ ایک جگہ ہمارا جہاز طغیانی میں آگیا اور جہاز میں ایک شور مچ گیا۔ میں چھتری پر تھا۔ وہاں سے اتر کر تنق کی جالیوں سے کمر لگا کر اور منہ لپیٹ کر ڈوبنے کے لیے بیٹھ گیا۔ کیونکہ میں سمجھتا تھا اب کچھ دیر میں جہاز ڈوبنے والا ہے۔ اسی اثنا میں مجھ پر غفلت طاری ہوئی میں نہیں سمجھتا کہ وہ نیند تھی یا غم کی بد حواسی۔ اسی غفلت میں مجھ سے ایک شخص نے کہا کہ فلانے اٹھو اور پریشان مت ہو۔ ہوا موافق ہو گئی ہے۔ کچھ دیر میں جہاز طغیانی سے نکل جاوے گا اور میرا نام امداد اللہ ہے مجھے میری کملی دو۔ میں نے گھبرا کر کملی دینی چاہی۔ اس گھبراہٹ میں آنکھ کھل گئی اور میں نے لوگوں سے کہہ دیا کہ تم مطمئن ہو جاؤ جہاز ڈوبے گا نہیں۔ کیونکہ مجھ سے حاجی صاحب نے خواب میں بیان فرما دیا ہے کہ جہاز ڈوبے گا نہیں۔ اس کے بعد میں نے لوگوں سے پوچھا کہ تم میں سے کوئی حاجی امداد اللہ صاحب کو جانتا ہے؟ مگر کسی نے اقرار نہیں کیا۔ آخر جہاز طغیانی سے نکل گیا اور ہم مکہ پہنچ گئے۔ میں نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ کوئی مجھے حاجی صاحب کو نہ بتلائے میں خود ان کو پہچانوں گا۔ جب میں طواف قدوم کر رہا تھا تو میں نے طواف کرتے ہوئے حاجی صاحب کو مالکی مصلے کے قریب کھڑے دیکھا۔ اور دیکھتے ہی پہچان لیا۔ کیونکہ ان کی شکل اور لباس وہی تھا جو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ صرف فرق اتنا تھا کہ جب میں نے جہاز میں دیکھا تو اس وقت آپ لنگی پہنے ہوئے تھے۔ اور اس وقت پاجامہ، میں نہیں سمجھتا کہ اتنا فرق کیوں تھا۔ خاں صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے یہ وجہ بیان کی کہ جہاز کو طغیانی سے نکالنے کے لیے لنگی ہی مناسب تھی۔ اس لیے آپ نے لنگی پہنے دیکھا تھا۔ سن کر وہ بہت خوش ہوئے اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ میں طواف سے فارغ ہو کر حاجی صاحب سے ملا اور کملی پیش کی اور جہاز کا قصہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی مجھے تو خبر بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ بعض وقت اپنے کسی بندے کی صورت سے کام لے لیتے ہیں۔

حاشیہ حکایت ۱۵۴ قولہ فی آخر القصہ۔ مجھے تو خبر بھی نہیں الخ اقول اکثر تو ایسا ہی ہوتا ہے اور وہ کوئی غیبی لطیفہ ہوتا ہے جو کسی مانوس شکل میں متمثل ہو جاتا ہے۔ اور کبھی خبر بھی ہوتی ہے بطور کرامت کے مگر اس کی کوئی یقینی پہچان نہیں۔ زیادہ مدار اس بزرگ کے قول پر ہے۔ وہ بھی جبکہ کسی مصلحت سے اخفا نہ کریں۔ (ش‍ت)

حکایت ۱۵۵ = خاں صاحب نے فرمایا کہ حافظ محمد حسین مراد آباد کے رہنے والے ایک شخص تھے جو مولوی امانت علی صاحب امروہی کے مرید تھے۔ انہوں نے حاجی صاحب کو خط لکھا اور اس میں لکھا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے حب عقلی کو حب عشقی پر ترجیح دی ہے۔ اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ حب عشقی وصل کے بعد مضمحل ہو جاتی ہے۔ مگر حب عقلی وصل میں اور زیادہ بڑھتی ہے۔ اور اسی طرح شکر کو صبر پر ترجیح دی ہے۔ حضور کا اس میں کیا مسلک ہے؟

حاجی صاحب نے اس خط کا تقریباً" ڈیڑھ جزو میں جواب میں لکھا اور جواب میں حب عشقی کو حب عقلی پر ترجیح دی اور لکھا کہ حب عشقی نامتناہی ہے اور حب عقلی متناہی اور وجہ اس کی یہ تحریر فرمائی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ' فرماتے ہیں کہ لو کشف الغطاء ما ازددت یقیناً" یہ حب عقلی تھی اور اس سے اس کی تناہی ظاہر ہے۔ اور ترجیح صبر کے متعلق فرمایا کہ حق تعالٰی صابرین کے متعلق فرماتے ہیں ان اللہ مع الصابرین اور شاکرین کے متعلق فرماتے ہیں لئن شکرتم لا زیدنکم اور معیت حق اور زیادت نعمت میں فرق ظاہر ہے۔ غرض اس بحث کو حاجی صاحب نے نہایت مفصل تحریر فرمایا تھا اور میں نے اس خط کی نقل بھی لے لی تھی اسی لئے اس کے مضامین مجھے محفوظ نہیں رہے۔ مگر وہ نقل میرے پاس سے ضائع ہو گئی اس کے بعد میں نے مراد آباد میں تلاش کیا تو مجھے وہاں بھی نہ ملا خیر حاجی صاحب نے اس خط کو تمام فرما کر مولانا گنگوہی کو سنایا۔ اس مجلس میں حافظ عطاء اللہ اور مولوی عبدالکریم منشی تجمل حسین حاجی صاحب کے

بھتیجے بھی موجود تھے۔ مولانا گنگوہی نے حاجی صاحب کے جواب کو نہایت پسند فرمایا۔ اس کے بعد جب مولانا اس مجلس سے اٹھے تو منشی تجمل حسین صاحب نے مولانا سے دریافت کیا کہ حضرت آپ فرمائیں آپ کے نزدیک حاجی صاحب کا مضمون اچھا ہے یا مولوی اسمٰعیل صاحب کی صراط مستقیم کا۔ آپ نے فرمایا دونوں بہت اچھے ہیں اس کے بعد جب مولانا طواف کر کے حطیم میں بیٹھے تھے تو منشی تجمل حسین نے پھر پوچھا کہ حضرت اچھے تو بے شک دونوں ہیں مگر آپ کے نزدیک ان دونوں میں کون زیادہ اچھا ہے۔ تو آپ نے فرمایا حب عشقی میں سب باتیں ہیں۔ مگر ایک بات یہ ہے کہ اس میں انتظام نہیں اور اس لئے حدود شرعیہ اس میں ملحوظ نہیں رہتیں اس بنا پر میں جب تک اعمال کی ضرورت ہے اس وقت تک تو حب عقلی کو پسند کرتا ہوں اور جب انتقال کا وقت ہو اس وقت غلبہ حب عشقی کو پسند کرتا ہوں۔

حاشیہ حکایت = ۱۵۵ قولہ متناہی ظاہر ہے۔ اقول اور حب عشقی کے غیر متناہی ہونے کی دلیل احقر نے خود حضرت حاجی صاحب سے سنی ہے۔ عشق دریا نیست قعرش نامدید۔

اور وصل میں مضمحل ہو جانا حب عشقی کا اس وقت ہے کہ جب حسن و جمال محبوب کا متناہی ہو۔ اور عشق حقیقی میں یہ ہے نہیں پس وہاں ایسا نہیں۔ قولہ دونوں بہت اچھے ہیں اقول اور فیصلہ بھی بہت ہی اچھا ہے۔(شت) (منقول از امیر الرویات)

حکایت = ۱۵۶ خاں صاحب نے فرمایا کہ میں سفر حج کر کے مکہ مکرمہ حاضر ہوا ایک دن حسب معمول حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس دوپہر کے وقت حاضر تھا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ رشید و قاسم بمنزلہ میرے ہوتے اور میں بمنزلہ ان کے فرمایا کہ ہاں میں اس کے اظہار پر مامور تھا۔ تب میں نے عرض کیا کہ حضرت پھر آپ ان دونوں کے خلاف

سے آکر عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہیں نے تو آدھا کیا ہے میں کیا کروں۔

حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ایک عجیب برکت ہے جہاں جہاں حضرت کی نسبت سے تعمیریں بنی ہیں سب محفوظ ہیں یہاں تک کہ ہمارے بھائی نے جب اپنا مکان بنایا جس میں حضرت کا سکونتی قطعہ بھی آگیا۔ انہوں نے ایک انجینئر سے نقشہ بنوایا تھا۔ اس نے نہایت آزادی سے نقشہ بنایا۔ مگر حضرت کے پاس سکونتی حصہ کی عمارت کے ٹوٹنے کی نوبت نہیں آئی۔ سچ ہے۔

اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

حکایت ۱۶۶ = فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ جب کسی مسئلہ کی تقریر کو ختم فرمالیتے اور کوئی شخص دوبارہ دریافت کرتا تو فرماتے کہ اس سے (یعنی حضرت شیخی و مرشدی حکیم الامتہ مولانا تھانوی مد ظلہم العالی) دریافت کر لو۔ یہ سمجھ گئے ہیں۔ (اس سے ہمارے حضرت کی عظمت و جلالت و فہم و ادراک کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ جامع) لوگوں کو اس سے غصہ ہوتا کہ سب باتیں یہی سمجھ جاتے ہیں اور کوئی نہیں سمجھتا اس لیے دوبارہ کوئی پوچھتا ہی نہ تھا۔ میں نے بہت چاہا کہ ایسا نہ فرمایا کریں لوگوں کو اس سے حسد ہوتا ہے مگر چونکہ یہ کہنا خلاف ادب تھا۔ اس لیے عرض نہ کر سکا۔

حکایت ۱۶۷ = فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ اس پر فخر کیا کرتے تھے کہ الحمدللہ ہمارے سلسلہ میں سب طلبا اور غرباء ہی کا مجمع ہے اور جس درویش کے یہاں بڑے بڑے لوگوں یعنی ڈپٹی کلکٹروں وغیرہ کا اکثر ہجوم ہو تو سمجھ لو کہ وہ خود دنیا دار ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے الجنس یمیل الی الجنس

حکایت ۱۶۸ = فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو چار مسئلوں میں شرح صدر ہے ایک مسئلہ قدر دوسرا روح۔ تیسرا مشاجرات صحابہ چوتھا وحدت الوجود۔ اور جب ان چاروں مسئلوں پر حضرت

الثانیہ روز شنبہ ۱۲۸۲ھ میں ہوئی۔ ابھی مکہ مکرمہ نہ پہنچے تھے کہ اسہال کا مرض لا حق ہو گیا کہ مکہ مکرمہ میں ایک مرتبہ حاجی امداد اللہ صاحب سے فرمایا کہ میرا جی چاہتا تھا۔ کہ مدینہ منورہ میں موت آئے مگر بظاہر اب میری موت کا وقت قریب آ گیا آپ مراقبہ کیجئے۔ انہوں نے مراقبہ کیا اور فرمایا کہ نہیں آپ مدینہ منورہ پہنچ جائیں گے۔ کچھ روز کے بعد آپ اچھے ہو گئے۔ اور اگلے ہی روز مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے مدینہ منورہ پہنچنے میں ایک منزل باقی تھی کہ آپ پھر بیمار ہو گئے اور۔ ۱۰ محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۵ مئی یوم جمعہ ۱۸۶۶ء کو انتقال فرمایا اور نزدیک قبر حضرت عثمانؓ مدفون ہوئے۔

کرتہ۔ پاجامہ۔ لنگی۔ مشکیزہ۔ لوٹا آپ نے چھوڑا۔ حسب وصیت لوٹا اور مشکیزہ بیت المال میں داخل کر دیا گیا۔ لنگی مریدین میں تقسیم کر دی گئی اور کرتا پاجامہ صاحبزادی کے پاس بھیج دیا گیا۔ جس میں پاجامہ معتقدین میں تقسیم کر دیا گیا اور کرتہ مبارک موجود ہے۔ فقط (منقول از تذکرۃ الخلیل)

مولانا شیخ محمدؒ صاحب محدث تھانویؒ کی حکایت

حکایت ۲۰۲ = فرمایا کہ مولانا شیخ محمد صاحبؒ وعظ میں لغات بہت بولتے تھے اور اس کی تفسیر یعنی سے کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا میرٹھ تشریف لے گئے تو ایک شخص کی نسبت دریافت کیا کہ یہ کنابیہ میرٹھ ہے ہیں یا احابیش میرٹھ سے ہیں۔ (ہمارے حضرت .... نے فرمایا) کہ مگر ہم نے اکثر بزرگوں کو دیکھا ہے کہ لوگ ان کو پہچانتے بھی نہ تھے کہ یہ علماء ہیں۔ گفتگو بہت معمولی آدمیوں کی طرح کرتے تھے۔ ہاں تقاریر کے اندر اصطلاحات ضرور بولتے تھے۔ (وہاں اس کی ضرورت ہوتی تھی) (جامع) (منقول از اشرف التنبیہ)

حضرت حافظ محمد ضامن تھانوی شہیدؒ کی حکایات

حکایت ۲۰۳ = فرمایا کہ جب کوئی حافظ محمد ضامن صاحبؒ کے پاس آتا تو

فرماتے کہ دیکھ بھائی اگر تجھے کوئی مسئلہ پوچھنا ہے۔ تو وہ مولانا شیخ محمد کی طرف اشارہ کر کے) بیٹھے ہیں۔ مولوی صاحب ان سے پوچھ لے۔ اور اگر تجھے مرید ہونا ہے تو وہ (حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کر کے) بیٹھے ہیں۔ حاجی صاحب' ان سے مرید ہو جا۔ اور اگر حقہ پینا ہے تو یاروں کے پاس بیٹھ جا۔

حکایت ۲۰۴ = فرمایا کہ حضرت حافظ ضامن صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے اگر کوئی آ کر کہتا کہ حضرت میں نے اپنے لڑکے کو حفظ شروع کرا دیا ہے دعا فرما دیجئے تو فرماتے ارے بھائی کیوں جنم روگ لگایا۔ یہ تنبیہ ہے اس پر کہ عمر بھر اس کی حفاظت واجب ہو گی اگر اس کی امید نہ ہو تو ناظرہ ہی پڑھا دو اور حفظ سے روکنا نہیں ہے۔ مگر پیرایہ ظرافت کا ہے۔ باعتبار مذاق مخاطب کے کہ کہیں اخیر میں اس کو مصیبت نہ سمجھنے لگو۔

حکایت ۲۰۵ = فرمایا کہ ایک صاحب کشف حضرت حافظ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے لگے۔ بعد فاتحہ کہنے لگے کہ بھائی یہ کون بزرگ ہیں بڑے دل لگی باز ہیں۔ جب میں فاتحہ پڑھنے لگا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ جاؤ فاتحہ کسی مردہ پر پڑھیو۔ یہاں زندوں پر فاتحہ پڑھنے آئے ہو یہ کیا بات ہے۔ جب لوگوں نے بتلایا کہ یہ شہید ہیں۔

حکایت ۲۰۶ = فرمایا کہ حافظ محمد ضامن صاحب رحمتہ اللہ اپنے مرشد حضرت میاں جیوؒ کے ہمراہ ان کا جوتا بغل میں لے کر اور توبرہ گردن میں ڈال کر جھنجانہ جاتے تھے۔ اور ان کے صاحبزادے کی سسرال بھی وہیں تھی لوگوں نے عرض کیا کہ اس حالت سے جانا مناسب نہیں۔ وہ لوگ حقیر سمجھ کر کہیں رشتہ نہ توڑ ڈالیں۔ حافظ صاحبؒ نے فرمایا کہ رشتہ کی ایسی تیسی۔ میں جانے میں اپنی سعادت ہرگز نہ چھوڑوں گا۔

حکایت ۲۰۷ = فرمایا کہ ایک نوجوان حضرت حافظ ضامن صاحبؒ کی خدمت میں آنے لگا تھا۔ حضرت کی برکت سے اس کی کچھ حالت بدلنے لگی اس

کے باپ نے حافظ صاحب سے شکایت کی کہ جب سے لڑکا آپ کے پاس آنے لگا بگڑ گیا۔ حافظ صاحب نے جوش میں فرمایا کہ ہم کو تو بگاڑنا ہی آتا ہے ہمیں بھی کسی نے بگاڑا ہی ہے۔ ہم کسی کو بلاتے تھوڑا ہی ہیں۔ جس کو سنورنا ہو تو ہمارے پاس نہ آوے۔ ہمیں تو بگاڑنا ہی آتا ہے۔

حکایت ۲۰۸ = فرمایا کہ حافظ محمد ضامن صاحب کی درخواست پر حضرت میاں جیو نے بیعت سے اول انکار کر دیا تھا۔ مگر یہ برابر خدمت میں حاضر ہوتے رہتے۔ اصرار مطلق نہیں کیا۔ جب تقریباً" دو تین مہینے آتے جاتے گزر گئے تو ایک دن حضرت میاں جیوؒ سے حافظ صاحب نے عرض کیا کہ میں تو اسی خیال سے حاضر ہوں۔ مگر خلاف ادب ہونے کے سبب اصرار بھی نہیں کرتا۔ اس پر حضرت نے خوش ہو کر فرمایا کہ اچھا وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھ آؤ۔ پھر حضرت نے سلسلہ میں داخل فرما لیا۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفرلہ ولوالدیہ

حکایت ۲۰۹ = ایک بار ارشاد فرمایا کہ حضرت ضامن صاحب شہیدؒ سپاہی منش اور نہایت خوش مزاج آدمی تھے مجھ سے کمال الفت کرتے تھے ایک مرتبہ جب وہ گنگوہ میں تشریف فرما تھے۔ تو ایک شخص نے ان کی دعوت کی۔ وہ لکڑ ہارا تھا۔ آپ نے قبول فرما لی۔ کچھ دیر بعد حافظ محمد ابراہیم صاحب ڈپٹی کلکٹر مال کے والد نے بھی التجا قبول ضیافت کی۔ چنانچہ وہ بھی قبول کر لی۔ ایک شخص نے کہا حضرت وہ پہلا ناراض ہو گا۔ تو حضرت حافظ صاحب نے مکا بنا کر فرمایا کہ ہم اس کا منہ توڑ دیں گے۔ اور کہا کہ وہ کیا لاوے گا۔ پانچ چھ روٹیاں اور پیالہ بھر دال۔ سو یہ اتنے آدمیوں کو کافی نہ ہو گا۔ ہم اس کا لایا ہوا بھی رکھ لیں گے۔ اور دوسرے کا لایا ہوا بھی۔ اور پھر کھائیں گے۔ چنانچہ وہ لکڑ ہارا آیا تو پانچ چھ روٹیاں جو کی لایا اور ایک لوٹے میں سیر بھر کے قریب دودھ۔ حافظ صاحب نے اس کو لے کر رکھ لیا اور لکڑ ہارے کو رخصت کیا۔ جب دوسرے شخص بھی کھانا لے آئے تو آپ نے

پہلا کھانا بھی نکلوایا اور سب کو ملا کر کھایا۔

حکایت ۲۱۰ = حضرت حافظ صاحب کے مزاج اور خوش مزاجی کے بہت قصے بیان فرمایا کرتے تھے۔ ایک بار فرمایا۔ حافظ صاحب کو مچھلی کے شکار کا بہت شوق تھا۔ ایک بار ندی پر شکار کھیل رہے تھے۔ کسی نے کہا "حضرت ہمیں" آپ نے فرمایا۔ اب کے ماروں تیری۔" (منقول از تذکرۃ الرشید)

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کاندھلویؒ کی حکایت

حکایت ۲۱۱ = خاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلویؒ نہایت سیدھے اور نہایت متبع سنت بزرگ تھے۔ میں ان سے بہت ہی مرتبہ ملا ہوں۔ لیکن جب کبھی ان سے ملاقات ہوتی تھی تو وہ یہ ضرور فرماتے تھے کہ حدیث میں آیا ہے جب کسی کو کسی سے محبت ہو تو اسے چاہیے کہ اس کو اطلاع کر دے۔ اس لیے میں یہ تعمیل ارشاد نبوی تم سے کہتا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے یہ ان کا ہر ملاقات میں معمول رہا۔ اور کبھی اس میں تخلف نہیں ہوا۔

حاشیہ حکایت ۲۱۱ = **قولہ** تخلف نہیں ہوا۔ اقول یہ جوش ہے اتباع سنت کا۔ جو مقتضی ہوتا تھا تکرار کو۔ ورنہ کافی ایک بار اطلاع کرنا بھی تھا (شت)

(منقول از امیر الروایات)

حضرت قاسم العلوم والخیرات جناب مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند قدس اللہ سرہ کی حکایات

حکایت ۲۱۲ = جناب خاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی احمد حسن صاحب امروہی مراد آباد کے مدرسہ شاہی میں مدرس تھے۔ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد مولوی محمد یعقوب صاحب ہر سال جا کر امتحان لیا کرتے تھے۔ ایک

مرتبہ کا واقعہ ہے کہ دفتر کی چھت پر جو مکان ہے آپ اس میں بیٹھے ہوئے تھے اور میں بھی حاضر تھا۔ (میں اس زمانہ میں چھتاری میں ملازم تھا اور مجھے حضرت سے اور حضرت کو مجھ سے بہت تعلق تھا کہ جب مجھے معلوم ہوتا کہ آپ تشریف لانے والے ہیں تو میں مراد آباد پہنچ جاتا تھا) اس وقت مولانا کچھ بزرگوں کا ذکر کر رہے تھے۔ اور جس مجلس میں یہ عاجز ہوتا تھا اکثر مجھ ہی کو مخاطب بنا لیا کرتے تھے۔ گو اس وقت مجمع کثیر تھا۔ مگر آپ نے مجھ ہی کو مخاطب بنایا۔ اور فرمایا خواجہ احمد جام مستجاب الدعوات مشہور تھے۔ ایک عورت ان کی خدمت میں اپنے ایک نابینا بچے کو لائی اور عرض کیا کہ اپنا ہاتھ اس کے منہ پر پھیر دیجئے اور اس کی آنکھیں اچھی کر دیجئے۔ اس وقت آپ پر شان عبدیت غالب تھی اس لیے نہایت انکسار کے ساتھ فرمایا کہ میں اس قابل نہیں ہوں۔ اس نے اصرار کیا مگر آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ غرض یہ کہ تین چار مرتبہ یوں ہی رد و بدل رہا جب آپ نے دیکھا کہ وہ مانتی ہی نہیں ہے تو آپ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے چل دیئے کہ یہ کام تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا۔ وہ اندھوں اور مبروصوں کو اچھا کرتے تھے میں اس قابل نہیں ہوں۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ الہام ہوا۔ تو کون اور عیسیٰ کون اور موسیٰ کون پیچھے لوٹ اور اس کے منہ پر ہاتھ پھیر۔ نہ تم اچھا کر سکتے ہو نہ عیسیٰ ما ای کینم۔ آپ یہ سن کر لوٹے اور ماے کنیم ماے کنیم فرماتے جاتے تھے۔ اور جا کر اس کے منہ پر ہاتھ پھیر دیا۔ اور آنکھیں اچھی ہو گئیں۔ یہ قصہ بیان فرما کر مولانا نے فرمایا کہ احمق لوگ یوں سمجھ جایا کرتے ہیں کہ یہ ماے کنیم خود کہہ رہے ہیں۔ حالانکہ ان کا قول نہیں ہوتا بلکہ وہ حق تعالیٰ کا قول ہوتا ہے۔ بلکہ جب کوئی کسی گوییے سے کوئی عمدہ شعر سنتا ہے تو اس کو اپنی زبان سے بار بار دہراتا ہے اور مزے لیتا ہے۔ اسی طرح وہ اس الہام کی لذت سے حق تعالیٰ کا ارشاد "ماے کنیم" بار بار دہراتے تھے۔

حاشیہ حکایت ۲۱۲ = قولہ وہ حق تعالی کا قول ہوتا ہے اقول منصور حلاج کی سب سے اچھی تاویل یہی ہے اور یہ حکایت حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ سے احقر نے بھی سنی ہے۔ بس اتنا فرق ہے کہ مجھ کو ان بزرگ کا نام لینا یاد نہیں اور اول بار جو اس عورت کو جواب دیا اس کا لہجہ جوش کا یاد ہے۔ وہ یہ کہ میں عیسیٰ ہوں جو اندھوں کو اچھا کروں اور مای کنیم کی جگہ ناکینم یاد ہے۔ (شت)

حکایت = ۲۱۳ = خاں صاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی سفر حج میں تھے۔ اس سفر میں ان کا جہاز یمن کی ایک بندرگاہ پر ٹھہر گیا۔ اور مولانا کو معلوم ہوا کہ یہاں جہاز چند روز قیام کرے گا۔ چونکہ آپ کو معلوم ہوا کہ یہاں سے قریب کسی بستی میں ایک بہت معمر عالم اور محدث رہتے ہیں اس لیے آپ جہاز سے اتر کر ان کی خدمت میں روانہ ہو گئے۔ جب ان کی خدمت میں پہنچے اور گفتگو ہوئی تو مولانا کو ان کی شہرت علم کی تصدیق ہو گئی اور آپ نے ان سے حدیث کی سند کی درخواست کی۔ ان عالم نے دریافت کیا کہ تم نے کس سے حدیث پڑھی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ شاہ عبد الغنی صاحب سے۔ وہ عالم شاہ عبد الغنی صاحب کو نہ جانتے تھے۔ اس لیے دریافت کیا کہ شاہ عبد الغنی نے کس سے پڑھی؟ مولانا نے فرمایا شاہ اسحٰق صاحب سے۔ وہ شاہ اسحٰق صاحب سے بھی واقف نہ تھے۔ اس لیے پوچھا کہ شاہ اسحٰق صاحب نے کس سے پڑھی ہے مولانا نے فرمایا شاہ عبد العزیز صاحب سے۔ وہ شاہ عبدالعزیز صاحب سے واقف تھے۔ جب ان کا نام سنا تو فرمایا کہ اب میں تم کو سند دے دوں گا اور یہ بھی فرمایا کہ شاہ ولی اللہ طوبیٰ کا درخت ہے پس جس طرح جہاں جہاں طوبیٰ کی شاخیں ہیں وہاں جنت ہے اور جہاں اس کی شاخیں نہیں ہیں وہاں جنت نہیں ہے۔ یوں ہی جہاں شاہ ولی اللہ کا سلسلہ ہے وہاں جنت ہے۔ اور جہاں ان کا سلسلہ نہیں وہاں جنت نہیں اس کے بعد انہوں نے مولانا کو حدیث کی سند دے دی۔ خاں صاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے خود مولانا نانوتوی سے سنا ہے۔

حاشیہ حکایت = ۲۱۳ = قولہ ان کی خدمت میں روانہ ہو گئے۔ اقول

غروب ایک کوٹھڑی اور اس کوٹھڑی کے آگے شمالاً اور جنوباً ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ جس وقت والد صاحب پہنچے ہیں تو اس وقت لڑکا کوٹھڑی کے اندر تھا۔ اور وہ عالم اس چارپائی سے کمر لگائے ہوئے اور کوٹھڑی کی طرف پشت کیے ہوئے بیٹھے تھے۔ والد صاحب اسباب رکھ کر ان عالم سے مصافحہ کرنے گئے جب یہ سہ دری میں پہنچے ہیں تو وہ لڑکا ان کو دیکھ کر کوٹھڑی میں سے نکلا۔ والد صاحب نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے تھے کہ ان کی نظر اس لڑکے پر پڑگئی۔ جس سے مصافحہ تو رہ گیا اور والد صاحب اس لڑکے کو دیکھنے میں مستغرق ہو گئے ان عالم نے جب یہ دیکھا کہ یہ مصافحہ کرنا چاہتے تھے، مگر مصافحہ نہیں کر سکے۔ تو انہوں نے منہ پھیر کر اپنے پیچھے دیکھا تو ان کو معلوم ہوا کہ لڑکا کھڑا ہے۔ اور یہ اس کے دیکھنے میں مصروف ہیں۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ یہ حضرت بھی ہمارے ہمرنگ معلوم ہوتے ہیں تو انہوں نے اس لڑکے کو آواز دی اور کہا کہ ان صاحب سے مصافحہ کرو۔ وہ لڑکا آیا اور اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اس وقت ان عالم صاحب نے یہ شعر پڑھا۔

این ست کہ خوں خوردہ و دل بردہ بسے را
بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کسے را

یہ قصہ تو ختم ہوا اب سنو۔ میری آرزو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اتنی قوت دے کہ میں مرزا حسن علی محدث کو اور اپنے باپ کو اور مولوی اسمٰعیل صاحب کو اور فلاں فلاں کو قبروں میں سے زندہ کر کے لاؤں اور ان کو مولانا کی تقریر سنواؤں اور اس شعر کو یوں پڑھوں۔

این ست کہ خوں خوردہ و دل بردہ بسے را
بسم اللہ اگر تاب سخن ہست کسے را

حاشیہ حکایت = ۲۱۵ = قولہ خدا کے کلام کو کوئی بدل نہیں سکتا الخ اقول غالباً یہ اشارہ ہے لا مبدل لکمات اللّٰہ کی طرف اور مولانا نے جو جواب ارشاد فرمایا ہو۔ چونکہ وہ اس قصہ میں مذکور نہیں اس لیے ضرورت ہوئی کہ اس کا سہل

جواب بھی عرض کر دیا جاوے۔ وہ جواب یہ ہے یہاں کلمات سے مراد خاص قرآن مجید ہے۔ بقرینہ شروع آیت وھو الذی انزل الیکم الکتاب مفصلا اور اس کی عدم تبدیل کا سبب دوسری آیت میں ہے۔ وانا لہ لحافظون اور کلمات سے مراد کلام ہے جیسا کہ حدیث میں ہے اصدق ماقال الشاعر کلمتہ لبید ای کلام لبید قولہ کوئی تصویر الخ اقول مغلوبیں معذور ہیں۔ قولہ کہاں ظہور فرمایا ہے اقول دوسرے کو ایسا کہنا تقلیداً جائز نہیں۔

لقمہ و نکتہ است کامل را حلال
تو نہ کامل مخوری باش لال

قولہ ایک لڑکے پر عاشق تھے' اقول دوسرے کو ایسا کرنا جائز نہیں

کار پاکاں راقیاس از خود مگیر
گرچہ ماندر نوشتن شیر و شیر

قولہ دیکھنے میں مصروف ہیں **اقول** اوپر گزر چکا ہے کہ ہر خوب صورت شے کے دیکھنے کو سفر کرتے تھے حتی کہ سفر کر کے اونٹنی کو دیکھنے گئے۔ یہ صاف دلیل ہے کہ ان کی نظر شہوانی نہ تھی۔ (شت)

حکایت = ۲۱۴ = خاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد یعقوب صاحب اور مولوی محمد منیر صاحب اور حضرت مولانا نانوتوی یہ تینوں ایک سال کی پیدائش تھے اور مولانا نانوتوی سب سے بڑے تھے۔ ان سے چھوٹے مولوی محمد منیر صاحب اور سب سے چھوٹے مولوی محمد یعقوب صاحب تھے۔ یہ بیان فرما کر فرمایا کہ میں نے دو شخصوں کو دیکھا ہے کہ وہ مولانا سے بہت بے تکلفی کے ساتھ باتیں کرتے تھے۔ ایک مولوی محمد منیر صاحب دوسرے مولوی امیرالدین صاحب جو حال کے امام جامع مسجد دہلی کے چچا تھے۔ مولوی محمد منیر صاحب تو صرف قاسم ہی کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ مگر مولوی امیر الدین صاحب تو ابے تبے سے گفتگو کرتے تھے ایک مرتبہ مولوی امیر الدین صاحب سے کسی نے پوچھا کہ آپ مولانا کے ساتھ اس قدر گستاخی کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں! کچھ تو خیال کیا کیجئے تو مولوی امیر الدین

میں مبتلا ہوئے تو آپ نے مولوی محمود الحسن صاحب سے فرمایا کہ کہیں سے ککڑی لاؤ مولوی محمود الحسن فرماتے تھے کہ میں تمام کھیتوں میں پھرا مگر صرف ایک ککڑی چھوٹی سی ملی۔ اس کی خبر کسی ذریعے سے لکھنؤ مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محل کو ہو گئی۔ کہ مولانا نانوتوی کا جی ککڑی کو چاہتا ہے اس پر مولوی عبدالحی صاحب نے لکھنؤ سے مولانا کی خدمت میں بذریعہ ریلوے ککڑیاں بھیجیں اور چند مرتبہ بھیجیں۔

حاشیہ حکایت =۲۲۴ قولہ کہیں سے ککڑی لاؤ۔ اقول اس کو منافی زہد سمجھنا تقشف خلاف سنت ہے۔ خود احادیث میں بعض اشیا کی رغبت کا ظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ محققین کے نزدیک یہ اظہار احتیاج الی النعمۃ اعلیٰ درجہ کی عبدیت و محبت مع المنعم ہے۔ (شت)

حکایت =۲۲۵ خاں صاحب نے فرمایا ایک مرتبہ مولانا نانوتوی نے فرمایا کہ جو شخص ہم کو محتاج سمجھ کر دیتا ہے اس کا ہدیہ تو لینے کو جی نہیں چاہتا۔ اور جو اس غرض سے دیتا ہے کہ ہمارے (یعنی دینے والے کے) گھر میں برکت ہو اور ہمارے لے لینے کو ہمارا احسان سمجھے اس کا ہدیہ لے لینے کو جی چاہتا ہے اگرچہ وہ چار ہی پیسے ہوں۔

حاشیہ حکایت =۲۲۵ قولہ جو شخص ہم کو محتاج الخ اقول وجہ اس تفصیل کی یہ ہے کہ محتاج سمجھ کر دینا عادتاً ذلیل سمجھ کر دینا ہوتا ہے اور یہ آداب ہدیہ کے خلاف ہے کہ مہدی الیہ کو ذلیل سمجھا جائے۔ (شت)

حکایت =۲۲۶ خاں صاحب نے فرمایا کہ جب منشی ممتاز علی کا مطبع میرٹھ میں تھا۔ اس زمانہ میں ان کے مطبع میں مولانا نانوتوی بھی ملازم تھے اور ایک حافظ صاحب بھی نوکر تھے۔ یہ حافظ جی بالکل آزاد تھے۔ رندانہ وضع تھی چوڑی دار پاجامہ پہنتے تھے۔ ڈاڑھی چڑھاتے تھے۔ نماز کبھی نہ پڑھتے تھے مگر مولانا نانوتوی سے اور ان سے نہایت گہری دوستی تھی۔ وہ مولانا کو نہلاتے اور کمر ملتے تھے۔ اور مولانا ان کو نہلاتے اور کمر ملتے تھے۔ مولانا ان کے کنگھا کرتے تھے وہ مولانا کے

کنگھا کرتے تھے۔ اگر کبھی مٹھائی وغیرہ مولانا کے پاس آتی تو ان کا حصہ ضرور رکھتے تھے۔ غرض بہت گہرے تعلقات تھے۔ مولانا کے مقدس دوست مولانا کی ایک ایسے آزاد شخص کے ساتھ اس قسم کی دوستی سے ناخوش تھے مگر وہ اس کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جمعہ کا دن تھا۔ مولانا نے حسب معمول حافظ جی کو نہلایا۔ اور حافظ جی نے مولانا کو۔ جب نہا چکے تو مولانا نے فرمایا۔ کہ حافظ جی مجھ میں اور تم میں دوستی ہے اور یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تمہارا رنگ اور ہو اور میرا رنگ اور۔ اس لیے میں بھی تمہاری ہی وضع اختیار کرتا ہوں۔ تم اپنے کپڑے لاؤ۔ میں بھی وہی کپڑے پہنوں گا اور میری یہ ڈاڑھی موجود ہے۔ تم اس کو بھی چڑھا دو۔ اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ نہ کپڑے اتاروں گا نہ ڈاڑھی۔ وہ یہ سن کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اور کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے آپ مجھے اپنے کپڑے دیجئے۔ میں آپ کے کپڑے پہنوں گا اور یہ ڈاڑھی موجود ہے اسے آپ اتار لیجئے اور مولانا نے ان کو اپنے کپڑے پہنائے اور ڈاڑھی اتار دی اور وہ اس روز سے پکے نمازی اور نیک وضع بن گئے۔

حاشیہ حکایت =۲۲۶ قولہ میں بھی تمہاری وضع الخ اقول مولانا کو یقین تھا کہ اس فرمانے سے ان پر وہی اثر ہو گا جو کہ ہوا۔ اس لئے اس فرمانے سے اعتراض نہیں ہو سکتا یہ اصلاح کے طریقے ہیں جو حکمائے الٰہی سمجھتے ہیں جیسے حدیث میں ہے کہ ایک بی بی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک بار نوحہ کرنے کی اجازت کا یہ اثر ہوا کہ اس نے فوراً توبہ کر لی۔ (شت)

حکایت =۲۲۷ خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی کا قاعدہ تھا کہ سفر میں ہدیہ نہ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے تنہائی میں کہا کہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ مولانا سمجھ گئے کہ کچھ دینا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک عرض میری ہے پہلے اسے سن لیجئے میرا معمول ہے کہ سفر میں ہدیہ نہیں لیا کرتا اور مصلحت یہ ہے کہ کبھی آدمی کے پاس ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا۔ سفر میں اپنے

دوستوں سے ضرور ملاقات ہوتی ہے۔ اب کسی نے پہلے سفر میں کچھ دیا تھا۔ لہذا اس سفر میں اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے تو وہ یا تو ملنے سے کترائے گا یا اگر ملے گا تو جھینپ اور شرمندگی کے ساتھ ملے گا۔

حاشیہ حکایت =۲۲۷ قولہ یہ ہے اقول کسی مصلحت سے ہدیہ نہ لینا مخالف سنت کے نہیں جیسے کم فہم سمجھتے ہیں ایسے اور بھی بہت سے عذر ہیں۔ جن کو صاحب معاملہ سمجھ سکتا ہے البتہ یہ شرط ہے کہ وہ عذر احکام شریعت و طریقت کے خلاف نہ ہو۔ (شت)

حکایت =۲۲۸ خاں صاحب نے فرمایا کہ جن بزرگوں کا اخلاق بہت بڑھ جاتا ہے ان سے مخلوق کی اصلاح نہیں ہوتی اور فرمایا مولانا نانوتوی گو نہایت وسیع الاخلاق تھے۔ مگر اصلاح کے معاملہ میں اخلاق نہ برتتے تھے۔ اور مریدوں اور متعلقین پر برابر روک ٹوک کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا خورجہ تشریف لائے مولوی فضل رسول بدایونی کا تذکرہ چل گیا میری زبان سے بجائے فضل رسول (بضاد معجمہ) فصل رسول (بصاد مہملہ) نکل گیا۔ مولانا نے ناخوش ہو کر فرمایا کہ لوگ ان کو کیا کہتے ہیں میں نے کہا فضل رسول آپ نے فرمایا کہ تم فصل رسول کیوں کہتے ہو؟

حاشیہ حکایت =۲۲۸ قولہ ناخوش ہو کر فرمایا۔ اقول یہ حضرات تھے جو لا تلمزوا انفسکم ولا تنا بزوا بالا لقاب کے پورے عامل تھے حتیٰ کہ مخالفین کے معاملہ میں بھی۔

حکایت =۲۲۹ نواب محمود علی خاں صاحب مولوی محمد قاسم صاحب سے ملاقات کے بے حد متمنی تھے۔ مگر مولانا بھی ان سے کبھی نہیں ملے۔ چنانچہ دو مرتبہ وہ مولانا سے میرٹھ ملنے کے لئے آئے۔ اور دو مرتبہ علی گڑھ۔ مگر جب مولانا کو ان کے آنے کا علم ہوتا مولانا شہر چھوڑ کر کسی طرف چل دیتے تھے اور فرماتے کے نواب صاحب سے دو باتیں کہہ دینا کہ ایک یہ کہ نواب صاحب غازی

آباد کے اسٹیشن پر مسجد بنوا دیں اور دوسری ایک عجیب بات یہ تھی اگر وہ ایسا کریں گے تو میں ان کی پالکی کا پایہ پکڑ کر چلوں گا۔ دوسری بات کو سن کر نواب صاحب ہنسنے لگے۔ اور پہلی بات کی نسبت فرمایا کہ میں کوشش کر چکا ہوں مگر منظوری نہیں ہوئی۔ (منقول از امیر الروایات)

حکایت =۲۳۰ خاں صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا نانوتوی خورجہ تشریف لے گئے۔ وہاں کے پٹھانوں میں ایک شخص رن مست خاں نامی نہایت خوش گلو اور فن سرور سے واقف تھے وہ ایک دفعہ میرے پھوپھا کے پاس آئے۔ پھوپھا صاحب کھانا پکانے کے شوقین تھے۔ اس وقت بھی یہی مشغلہ تھا کوئی پیاز کتر رہا تھا کوئی آگ جلا رہا تھا بہشتی پانی پھر رہا تھا۔ کہ رن مست خاں نے اچانک حافظ شرازی کی یہ غزل شروع کی۔

غلام نرگس مست تو تاجدار انند

کچھ ایسا سماں بندھا کہ پیاز کترنے والے کے ہاتھ پیازوں پر رہ گئے بہشتی کا ہاتھ مشک اور گھڑے پر رکھا رہ گیا غرض جو جس حالت میں تھا اسی میں ششدر و حیران بنا رہ گیا۔

یہی رن مست خاں مولانا نانوتوی کی مجلس میں آئے اور مولوی عبداللہ صاحب ساکن گلاوٹھی نے جو مولانا کی پشت پر تھے رن مست خاں کو جو مولانا کے مواجہ میں تھا اشارہ کیا اور ذرا مستعدی کے ساتھ اشارہ ابرو سے حکم دیا۔ اس نے یہی حافظ کی غزل شروع کی اور ایک آدھ شعر پڑھ کر خود بخود رک گیا۔ کہا مولانا آپ تو مجھے پڑھنے نہیں دیتے۔ اور بعد میں کہا جب ارادہ کرتا تھا جب ہی کوئی انگلی زبان پر آکر رکھی جاتی اور اسے دبا دیتی تھی لیکن مولانا نے ان کے گلے کی تعریف فرمائی۔ جب مجلس برخاست ہوئی تو مولانا نے مولوی عبداللہ کی طرف خلاف عادت چیں بجبیں ہو کر دیکھا اور فرمایا مولوی صاحب یہ کیا بات ہے کہ آپ نے بغیر میرا ایما معلوم کئے اس سے ایسی فرمائش کی۔ اور پھر فرمایا کہ میں جس طرح صوفیوں میں بد نام ہوں اسی طرح مولویت کا دھبہ بھی مجھ پر لگا ہوا ہے۔ اس لئے پھونک

پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے اگر یہ مولویت کی قید نہ ہوتی تو قاسم کی خاک تک کا پتہ نہ چلتا۔ جانوروں کے گھونسلا بھی ہوتا ہے میرے یہ بھی نہ ہوتا اور کوئی میری ہوا تک نہ پاتا۔

حاشیہ حکایت =۲۳۰ اسی طرح مولویت کا الخ یہ ہے جامعیت کہ سب کا مناسب حق ادا کیا جائے۔ ولنعم ماقیل۔

برکفے جام شریعت برکفے سندان عشق
ہر ہو سنا کے نداند جام و سندان باختن

حکایت =۲۳۱ خاں صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا نانوتوی کو حرام کے طعام سے جیسے نفرت تھی ویسے ہی اس کا احساس بھی بہت جلد کرتے تھے۔ مگر دعوت بوجہ دلداری ہر ایک کی منظور فرما لیتے تھے۔ اور پھر آکر قے کرتے تھے۔

حاشیہ حکایت =۲۳۱ دعوت کی منظوری حرام بین ہونے کی صورت میں نہ تھی بلکہ مشتبہ ہونے کی صورت میں جو فتوی سے حلال تھی۔ کیا انتہا ہے اخلاق و شفقت کی۔(شت)

حکایت =۲۳۲ خاں صاحب نے فرمایا ایک حضرت حاجی صاحب کی مجلس میں مولانا اسمٰعیل شہید کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ اور ان کے مناقب بیان کئے جا رہے تھے۔ حضرت نے مولانا نانوتوی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ مولانا اسمٰعیل تو تھے ہی کوئی ہمارے اسمٰعیل کو بھی دیکھے۔

حاشیہ حکایت =۲۳۲ منہ پر مدح کرنا جب کہ اس میں کوئی مفسدہ نہ ہو جائز ہے۔ اور اگر اس میں کوئی مصلحت بھی ہو تو پھر جائز سے بڑھ کر اولیٰ ہے۔

حکایت =۲۳۳ خاں صاحب نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی کو یوں تو ولی اللہ خاندان کے ایک ایک فرد سے محبت اور فدائیت تھی مگر مولانا شہید سے عشق تھا اس کا ذکر سن نہ سکتے تھے۔ کسی نے تذکرہ چھیڑا تو اس کی بات کاٹ کر خود ان کا

ذکر شروع کر دیتے تھے۔

حاشیہ حکایت =۲۳۳ یہ بات کاٹنا ایسے لطیف طور پر ہوتا تھا کہ بات کرنے والے کو ناگوارانہ ہو۔

حکایت =۲۳۴ خاں صاحب نے فرمایا کہ مولانا محمود حسن صاحب فرماتے تھے کہ میں نے اس کا التزام کیا کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی تصانیف دیکھ کر حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کے درس میں حاضر ہوتا اور وہ باتیں پوچھتا جو حضرت شاہ صاحب کی کتب میں مشکل ہوتی تھیں شاہ صاحب کی کتاب میں جو انتہائی جواب ہوتا تھا وہ حضرت نانوتوی اول ہی دفعہ میں فرما دیتے تھے۔ بارہا اس کا تجربہ کیا۔

حکایت =۲۳۵ حضرت والد ماجد رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق بعض مفسدہ پردازوں نے جس میں رامپور کا ایک خاندان بھی شامل تھا جس کو حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب کے خاندان سے پشتینی عداوت تھی۔ حکومت میں یہ درخواست پیش کی کہ مولانا محمد قاسم صاحب نے دیو بند میں ایک مدرسہ گورنمنٹ کے مقابلہ میں کھولا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ سرحد کے لوگوں سے تعلقات پیدا کئے جائیں تاکہ گورنمنٹ سے جہاد آسان ہو جائے۔ یہ مدرسہ خفیہ طور پر طلباء کو قواعد جنگ کی تعلیم دیتا ہے اور ہندوستان پر چڑھائی کرنے کے لئے کابل کو تیار کر رہا ہے ہم گورنمنٹ کو خیر خواہانہ اطلاع دیتے ہیں کہ وہ بیدار رہے اور ہم بھی ہر قسم کی سراغ اور تفتیش حالات کے لئے گورنمنٹ کو مدد دینے کے لئے تیار ہیں۔

حکومت کے یہاں تفتیش حالات کے لئے احکام جاری ہوئے۔ اور تفتیش کے مراکز گنگوہ' نانوتہ' رام پور۔ جلال آباد قرار پائے۔ اور ان کا صدر مقام دیوبند بنا دیا گیا۔ حکام نے دور سے اور بعض حکام نے نانوتہ پہنچ کر حضرت نانوتوی کی زیارت کرنے کے لیے مسجد میں آنے کی اجازت چاہی حضرت نے اجازت دی اور کہا کہ

جوتہ نکال کر آئیں۔ حاکم آیا اور بیٹھا نہیں بلکہ نہایت ادب سے چپ چاپ حضرت کے سامنے کھڑا رہا۔ واپس ہو کر اس نے حکومت ہند کو رپورٹ دی کہ جو لوگ ایسی مقدس صورتوں پر نقض امن اور غدر و فساد کا الزام لگاتے ہیں وہ خود مفسد ہیں اور یہ محض چند مفسدوں کی شرارت ہے۔

اس واقعہ کے بعد حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں اکثر دیکھتا ہوں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں اور اپنی رداء مبارک میں مجھے ڈھانپ کر کبھی اندر لاتے ہیں کبھی باہر جاتے ہیں۔ سوتے اور جاگتے اکثر اوقات یہی منظر آنکھوں کے سامنے رہتا ہے کہ حضور رداء مبارک میں لیے رہتے ہیں اور الگ کرنا نہیں چاہتے۔ سب حضرات نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ ان مفسدوں کی مفسدہ پردازی اور شر سے تحفظ منظور ہے۔ لیکن حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نہیں مولانا کی عمر ختم ہو چکی ہے اور حضور کو یہ دکھلانا منظور ہے کہ جب لوگ اپنے ہو کر ایسے مفسد ہو گئے کہ خدا کے ایسے مقدس بندوں پر الزام لگانے سے نہیں شرماتے تو ہم بھی ایسی ہستی کو اب ایسے لوگوں میں رکھنا نہیں چاہتے کہ یہ لوگ اس قابل نہیں ہیں چنانچہ حضرت زیادہ زندہ نہیں رہے۔ قریب ہی زمانہ میں وفات ہو گئی۔

حاشیہ حکایت = ۲۳۵ قولہ سوتے جاگتے الخ یہ ایک کشف صحیح ہے جس میں کچھ استبعاد نہیں۔ اور اس کی جو تعبیر حضرت گنگوہی نے سمجھی شاید ڈھانپنے سے ماخوذ ہو۔ مگر صرف احتمال کافی نہیں۔ اصل مبنی وجدان ہے۔ (ش ت)

حکایت = ۲۳۶ حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ رام پور کے اسی مخالف و معاند خاندان کے دو رکن دو بھائی تھے۔ جن سے حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کا بچپن سے میل جول تھا اور حضرت کا معمول تھا کہ جب رام پور تشریف لے جاتے تو ان دونوں بھائیوں سے ملنے ضرور جاتے اور وہ حضرت سے ملنے حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب کے مکان پر آتے۔ اس خاندان کی اس مفسدہ پردازیوں کے

زمانے میں بھی حضرت کی یہ عادت نہ بدلی۔ حضرت حکیم ضیاء الدین صاحبؒ کو ناگوار ہوتا تھا کہ اب حضرت ان مفسدوں میں کیوں تشریف لے جاتے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے خود حضرت ہی پر کیا کیا زبردست الزام نہیں لگائے مگر زبان سے کبھی نہیں فرمایا۔ ایک دفعہ حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی دونوں کا رام پور میں اجتماع ہوا اور حضرت حسب عادت اسی مقام پر تشریف لے گئے تو حضرت حکیم صاحب نے حضرت گنگوہی کے سامنے ناک چڑھا کر فرمایا کہ دیکھئے مولانا نانوتوی اب بھی وہاں جانا نہیں چھوڑتے۔ حضرت مسکراتے رہے۔ جب حکیم صاحب کی تیزی بڑھتی گئی اور صفائی سے فرمانا شروع کیا تو حضرت نے ذرا مستعد ہو کر فرمایا کہ حکیم صاحب آپ کیا فرما رہے ہیں۔ آپ ان کے قلب کی حالت ملاحظہ نہیں فرماتے۔ جس شخص کے قلب میں ایمان کی طرح یہ راسخ ہو چکا ہے کہ دنیا میں اس سے زیادہ ذلیل و خوار کوئی ہستی نہیں ہے تو ایسے شخص کو آپ کس طرح کہیں آنے جانے سے روک سکتے ہیں۔ اور کہیں چلے جانے سے ان پر اثر کیا ہو سکتا ہے۔

حاشیہ حکایت = ۲۳۶ حکیم صاحب کی رائے کا منشا دین کی حفاظت کے ساتھ کہ دیکھنے والوں کو ان لوگوں کے تدین کا شبہ نہ ہو جائے ایک گونہ جذبہ نفس بھی ہے گو مباح ہے۔ چنانچہ ان کا یہ خیال کہ انہوں نے کیا کیا زبردست الزام لگائے ہیں اس کی دلیل ہے کہ حضرت گنگوہی کے جواب کا منشا ان کا غلبہ حال تواضع سے نہ دور ہوتا ہے۔ باقی تدین کا شبہ۔ سو ایسے مغلوب الحال بندوں کو اللہ تعالیٰ سبب بننے سے بھی محفوظ رکھتے ہیں۔ اور ان کا عذر سب پر واضح فرما دیتے ہیں۔ اور حضرت گنگوہی کے اس ارشاد میں کہ ان پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ اثر کو عام لے سکتے ہیں۔ اثر لازم و متعدی کو (شت)

حکایت = ۲۳۷ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ جب مباحثہ شاہجہانپور ہو چکا اور حضرت مولانا نانوتوی مظفر و منصور ہو کر واپس تشریف لے آئے تو مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا کہ اب مجھے مولانا کی وفات قریب معلوم ہوتی ہے۔

کہ خودی مٹ رہی ہے۔ اس مجلس میں حضرت سے بیعت کی درخواست کی فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کی طرف سے بیعت کرتا ہوں جب آپ جائیں تو پھر وہاں تجدید بیعت کرلیں۔ چنانچہ جب مولانا گئے تو حضرت حاجی صاحبؒ سے تجدید بیعت کرلی۔

حاشیہ حکایت = ۲۴۵ اول تو اس کی کوئی دلیل نہیں کہ قصداً ان مسائل کا رد شروع فرمایا۔ لیکن اگر ایسا ہوا بھی ہو تو مدعی کی اصلاح کے واسطے علم کا اظہار بھی جائز ہے۔ (شت)

حکایت = ۲۴۶ والد صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا نانوتویؒ کا ایک وعظ سہارنپور میں ہوا جس میں مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی بھی شریک تھے اور ختم وعظ پر فرمانے لگے کہ بھلا ان کے ہوتے ہوئے کوئی واعظ و وعظ کہہ کر کیا ایسی تیسی کھائے گا۔ یہ علوم کہاں سے لائے گا اور یہ اثر کہاں سے آئے گا۔

حکایت = ۲۴۷ حضرت عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مولوی احمد حسن صاحب امروہی اور مولوی فخر الحسن صاحب گنگوہی میں باہم معاصرانہ چشمک تھی اور اس نے بعض حالات کی بنا پر ایک مخاصمۃ اور منازعۃ کی صورت اختیار کرلی اور مولانا محمود حسن صاحب گو اصل جھگڑے میں نہ شریک تھے نہ انہیں اس قسم کے امور سے دلچسپی تھی۔ مگر صورت حالات ایسی پیش آئی کہ مولانا بھی بجائے غیر جانبدار رہنے کے کسی ایک جانب جھک گئے اور یہ واقعہ کچھ طول پکڑ گیا اسی دوران میں ایک دن علی الصباح بعد نماز فجر مولانا رفیع الدین صاحبؒ نے مولانا محمود حسن صاحب کو اپنے حجرے میں بلایا (جو دارالعلوم دیوبند میں ہے) مولانا حاضر ہوئے اور بند حجرے کے کواڑ کھول کر اندر داخل ہوئے موسم سخت سردی کا تھا۔ مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے یہ میرا روئی کا لبادہ دیکھ لو۔ مولانا نے لبادہ دیکھا تو تر تھا اور خوب بھیگ رہا تھا فرمایا کہ

واقعہ یہ ہے کہ ابھی ابھی مولانا نانوتویؒ جسد عنصری کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تھے۔ جس سے میں ایک دم پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرا لبادہ تر بتر ہو گیا اور یہ فرمایا کہ محمود حسن کو کہہ دو کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے پس میں نے یہ کہنے کے لیے بلایا ہے مولانا محمود حسن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد میں اس قصہ میں کچھ نہ بولوں گا۔

حاشیہ حکایت = ۲۴۷ یہ واقعہ روح کا تمثل تھا اور اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ جسد مثالی تھا۔ مگر مشابہ جسد عنصری کے دوسری صورت یہ کہ روح نے خود عناصر میں تصرف کر کے جسد عنصری تیار کر لیا ہو۔ مگر وقت گزر جانے پر پھر اس مرکب کو تحلیل کر دیا جاتا ہے۔ (شت)

حکایت = ۲۴۸ عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ مولانا محمود حسن صاحب مرحوم حضرت نانوتوی کے اخلاق مربیانہ اور شفقت و رحمت کی توصیف کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ بس حضرت کے اخلاق کا اندازہ اس مثال سے ہو سکتا ہے کہ مثلاً اگر میں اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہوں جو بہت تمناؤں کے بعد پیدا ہوا ہوں ظاہر ہے کہ مجھ سے انہیں کتنا انس ہو گا۔ اچانک میں گرفتار ہو کر دائم الحبس کر دیا جاؤں کہ پھر میری واپسی اور ملاقات کی کوئی توقع ماں باپ کو نہ رہے۔ ظاہر ہے کہ ان پر کس درجہ غم الم کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے کہ گویا وہ قبل از مرگ ہی مر جائیں گے اور پھر میں اچانک رہا ہو کر آؤں اور ایک دم ماں باپ کے سامنے پہنچ جاؤں تو تم بتلاؤ کہ ان کی اس وقت کی خوشی و مسرت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے بس یوں سمجھو کہ میں اگر دن میں دس مرتبہ بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کرتا تو مجھے دیکھ کر ہر مرتبہ اتنے ہی خوش ہوتے تھے جتنا کہ میرے ماں باپ اس وقت خاص میں خوش ہو سکتے تھے۔

حکایت = ۲۴۹ حضرت والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ حضرت نانوتویؒ عموماً

بیعت اپنے مرشد کی طرف سے کرتے تھے چند ایک ہی لوگ تھے جن کو آپ نے براہ راست اپنے سے بیعت کیا ہو۔ ایک دیوان محمد یٰسین مرحوم دیو بندی کہ جب انہوں نے بیعت کی درخواست کی فرمایا کہ جاؤ گنگوہ جا کر بیعت ہو۔ وہ فوراً گنگوہ پہنچے اور حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ گنگوہ سے واپس ہو کر پھر درخواست کی حضرت نے فرمایا کہ تم نے گنگوہ جا کر بیعت نہیں کی؟ عرض کیا کہ کر لی۔ فرمایا کہ پھر اب دوبارہ بیعت کیسی؟ عرض کیا کہ حضرت وہ تو تعمیل ارشاد تھی مگر بیعت تو حضرت ہی کریں گے آخر کار خود حضرت نے بیعت فرمایا۔

حاشیہ حکایت = ۲۴۹ قولہ وہ تو تعمیل ارشاد تھی۔ الخ پس یہ صورت بیعت مگر چونکہ مقدمہ حقیقت بیعت تھی اس لیے بے کار نہ تھی۔ اور چونکہ قرائن سے یہ متیقن تھا کہ شیخ اول کو یہ ناگوار نہ ہو گا اس لیے خلاف طریقت نہ تھی۔ (شت)

حکایت = ۲۵۰ حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ مولانا محمود حسن صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے یہ سارے بزرگ آفتاب و ماہتاب تھے۔ ایک سے ایک اعلیٰ و افضل تھا لیکن بہرحال جس کی قیام گاہ پر جا کر دیکھا ضروریات زندگی میں سے کچھ نہ کچھ سامان پایا۔ حضرت گنگوہی کے حجرہ میں بہرحال سامان مباح میں سے ضروریات تھیں حضرت حاجی امداد صاحب قدس اللہ سرہ کے حجرہ میں بہرحال کچھ نہ کچھ اشیا نظر پڑتی تھیں لیکن اس منقطع عن الخلق اور زاہد فی الدنیا ذات (حضرت قاسم العلوم) کے حجرے میں کچھ بھی تو نظر نہ آتا تھا چٹائی بھی اگر ایک تھی تو وہ ٹوٹی ہوئی۔ گویا عمر بھر کے لیے اسی ایک چٹائی کو منتخب فرما لیا تھا نہ کوئی صندوق تھا نہ کبھی کپڑوں کی گٹھڑی بندھتی تھی۔ سفر میں جب یہ حضرات جاتے تھے تو مثلاً حضرت گنگوہیؒ کے خادم خاص عبداللہ شاہ صندوق لیتے۔ کپڑے لگاتے۔ سامان سفر مہیا ہوتا۔ اہتمام ہوتا لیکن یہاں کوئی اہتمام نہ تھا اگر کبھی ایک آدھ کپڑا ہوا تو کسی

کے پاس رکھوا دیا۔ ورنہ عموماً اسی ایک جوڑے میں سفر پورا ہوتا جو حضر میں پہنے ہوتے تھے۔ البتہ ایک نیلی لنگی ساتھ رہتی تھی جب کپڑے زیادہ میلے ہو گئے تو لنگی باندھ کر کپڑے اتار لیے اور خود ہی دھو لئے۔ اور وہ لباس بھی کیا تھا جو اتنی قلت کے ساتھ رہتا تھا بغیر کرتے کے بندوں دار اچکن (یا انگرکھا) اور پاجامہ۔ سردی ہوتی تو مختصر سا معمولی عمامہ ورنہ عموماً ایک کنٹوپ تمام سردی سر پر رہتا تھا۔ مدت العمر کسی کپڑے میں کبھی بٹن نہیں لگائے اور فرماتے تھے کہ یہ نصاریٰ کی علامت ہے بلکہ ہر جگہ بند استعمال فرماتے تھے۔ اپنے لیے کبھی کچھ نہ تھا اور سب کے لیے سب کچھ تھا اگر ان کے پاس کوئی دنیا ہی کی تلاش میں آتا تو وہ دنیا سے بھی محروم نہ جاتا تھا بہت کچھ آتا مگر اس میں اپنے لیے کچھ نہ تھا بلکہ دوسروں کے لیے اور یہی فرمایا کہ دوسروں کا حق ہے۔

حاشیہ حکایت = ۲۵۰ مقصود درجہ طریق میں جمعیت قلب ہے فطرتاً کسی کو ترک اسباب میں جمعیت ہوتی ہے کسی کو مباشرت اسباب میں پس دونوں میں تفویض ہے محبوب کی۔ تجویز تکوینی کی طرف اور تشریعاً دونوں امر مخیر فیہ ہیں۔ اور بٹن سے اجتناب یہ احتیاط ہے۔ باقی شیوع عام جس سے دیکھنے والے کو کھٹک نہ ہو رافع تشبہ ہے۔ (شت)

حکایت = ۲۵۱ حضرت والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مولانا منصور علی خاں صاحب مرحوم مراد آبادی حضرت نانوتویؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔ طبیعت کے ساتھ ادھر جھکتے تھے۔ انہوں نے اپنا واقعہ خود بھی مجھ سے نقل فرمایا کہ مجھے ایک لڑکے سے عشق ہو گیا اور اس قدر اس کی محبت نے طبیعت پر غلبہ پایا کہ رات دن اسی کے تصور میں گزرنے لگے۔ میری عجیب حالت ہو گئی تمام کاموں میں اختلال ہو گیا۔ حضرت کی فراست نے بھانپ لیا لیکن سبحان اللہ تربیت و نگرانی اسے کہتے ہیں کہ نہایت بے تکلفی کے ساتھ حضرت نے میرے ساتھ دوستانہ برتاؤ شروع کیا

اور اسے اس قدر بڑھایا کہ جیسے دو یار آپس میں بے تکلف دل لگی کیا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ خود ہی اس محبت کا ذکر چھیڑا۔ فرمایا کہ ہاں بھائی وہ (لڑکا) تمہارے پاس کبھی آتے بھی ہیں یا نہیں؟ میں شرم و حجاب سے چپ رہ گیا تو فرمایا کہ نہیں بھائی یہ حالات تو انسان ہی پر آتے ہیں۔ اس میں چھپانے کی کیا بات ہے۔ غرض اس طریق سے مجھ سے گفتگو کی کہ میری ہی زبان سے اس کی محبت کا اقرار کرا لیا۔ اور کوئی خفگی اور ناراضگی نہیں ظاہر کی۔ بلکہ دل جوئی فرمائی اس مخصوص بے تکلفی کے آثار اب مجھ پر ظاہر ہونے شروع ہوئے میں ایک دن تنگ آگیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ محبت میری رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی۔ مجھے تمام امور سے بے کار کر دیا۔ کیا کروں اور کہاں جاؤں آخر عاجز آکر دوڑا ہوا حضرت کی خدمت میں پہنچا اور مودب عرض کیا کہ حضرت للہ میری اعانت فرمایئے میں تنگ آگیا ہوں اور عاجز ہو چکا ہوں ایسی دعا فرما دیجئے کہ اس لڑکے کا خیال تک میرے قلب سے محو ہو جائے۔ تو ہنس کر فرمایا کہ بس مولوی صاحب کیا تھک گئے بس جوش ختم ہو گیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں سارے کاموں سے بے کار ہو گیا۔ نکما ہو گیا۔ اب مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا۔ خدا کے لیے میری امداد فرمایئے۔ فرمایا بہت اچھا۔ بعد مغرب جب میں نماز سے فارغ ہوں تو آپ موجود رہیں۔

میں نماز مغرب پڑھ کر چھتہ کی مسجد میں بیٹھا رہا۔ جب حضرت صلوٰۃ الاوابین سے فارغ ہوئے تو آواز دی مولوی صاحب۔ میں نے عرض کیا حضرت حاضر ہوں۔ میں سامنے حاضر ہوا اور بیٹھ گیا۔ فرمایا کہ ہاتھ لاؤ۔ میں نے ہاتھ بڑھایا میرا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر میری ہتھیلی کو اپنی ہتھیلی سے اس طرح رگڑا جیسے بان بٹے جاتے ہیں۔ خدا کی قسم میں عیاناً" دیکھا کہ میں عرش کے نیچے ہوں اور ہر چہار طرف سے نور اور روشنی نے میرا احاطہ کر لیا ہے گویا میں دربار الٰہی میں حاضر ہوں۔ میں اس وقت لرزاں اور ترساں تھا کہ ساری عمر مجھ پر یہ کپکپی اور یہ خوف طاری نہ ہوا تھا میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور بالکل خودی سے گزر گیا۔ اور

حضرت برابر میری ہتھیلی پر اپنی ہتھیلی پھیر رہے ہیں۔ جب ہتھیلی پھیرنا بند فرمایا تو یہ حالت بھی فرو ہو گئی۔ فرمایا جاؤ۔ میں اٹھ کر چلا آیا۔ دو ایک دن کے بعد حضرت نے پوچھا کہ مولوی صاحب کیا حال ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت اس لڑکے کا تصور یا عشق تو کجا۔ دل میں اس لڑکے کی گنجائش تک باقی نہیں۔ فرمایا اللہ کا شکر ادا کرو۔ والحمدللہ علی ذالک۔

حاشیہ حکایت = ۲۵۱ قولہ عیاناً "دیکھا کہ میں عرش کے نیچے ہوں الخ یہ ایک اثر تھا تصرف کا۔ مشابہ اس اثر کے جو حدیث مسلم میں وارد ہے۔

عن ابی بن کعب فی قصة اختلاف القرانین و تصویبه صلی اللّٰه علیه وسلم کلیهما' فلما رای رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ما قد غشیتنی ضرب فی صدری ففضت عرقا و کانما انظر الی اللّٰه فرقا الحدیث باب بیان القر آن انزل علی سبعة احرف) و نقل النووی عن القاضی ضرب صلی اللّٰه علیه وسلم فی صدره تثبیتا له حین راه قد غشیه ذالک و الخاطر المذموم اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل اگر وحی سے تھا تو اس کے تصرف ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ اور اگر اجتہاد سے تھا تو غالب یہی ہے کہ تصرف تھا البتہ ایسے تصرفات کا وقوع بہت ہی نادر منقول ہے۔ اور اس میں بھی شبہ ہے غیر تصرف ہونے کا۔ پس وقوع تصرف کا حکم جازم محتاج دلیل ہے۔ اور مشائخ چونکہ صاحب وحی نہیں ان کے ایسے افعال قرائن سے تصرفات ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اس لیے محققین نے اس کو کمالات مقصودہ میں شمار نہیں کیا اور راز اس میں یہ ہے کہ تصرفات کا صدور قوت نفسانیہ سے ہوتا ہے۔ اور جس طرح قوت جسمانیہ کمالات مقصودہ سے نہیں۔ جیسے مصارعة اسی طرح قوت نفسانیہ بھی اور اسی وجہ سے یہ قوت اہل باطن میں بھی پائی جاتی ہے۔ بلکہ بعض محققین کا قول ہے کہ عارف را ہمت (یعنی تصرف) نہ باشد۔ تو وہ اس کے عدم کو اس کے وجود پر ترجیح دیتے ہیں اور وجہ اس کی یہ بتلائی

جاتی ہے کہ اس میں شان عبدیت سے بعد ہے۔ اور یہ وجہ افعال جسمانیہ میں نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ اس اسباب مادیہ کی طرف احتیاج ظاہر ہے۔ جو عین عبدیت ہے۔ اور تصرفات نفسانیہ میں اسباب خفی ہیں۔ اس لیے احتیاج کی شان اس میں خفی ہے نیز افعال جسمانیہ کے صدور میں عوام معتقد نہیں ہوتے اور تصرفات میں معتقد ہو جاتے ہیں تو اس میں افتتان اور عجب کا خطرہ بھی ہے واللہ اعلم (شت)

حکایت = ۲۵۲ حضرت والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مدرسہ دیو بند جاری ہو چکا تھا لیکن اس کی کوئی مستقل عمارت نہ بنی تھی بلکہ کرائے کے مکانوں میں مساجد میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری تھا۔ جب یہ سلسلہ تعلیم بڑھنے لگا تو حضرت نانوتویؒ کی رائے یہ ہوئی کہ کرائے کے مکانوں سے کام نہ چلے گا بلکہ اب ایک مستقل جگہ مدرسہ کے نام سے ہونی چاہیے۔ سب نے اس رائے پر لبیک کہا۔ لیکن حاجی محمد عابد صاحب مرحوم اس رائے کے خلاف تھے وہ فرماتے تھے کہ کیا ضرورت ہے اتنے مصارف برداشت کرنے کی جامع مسجد کی عمارت کافی ہے۔ اس کے ہر چہار سمت حجرے بنا دیے جائیں اور مسجد میں مدرسین درس دیں۔ لیکن بقول حضرت شیخ الہندؒ حاجی صاحب مرحوم کے سامنے وہ مستقبل نہ تھا جو حضرت کو نظر آرہا تھا۔ ان کی فراست کے سامنے یہ مکتب مدرسہ اور پھر مدرسہ سے دارالعلوم ہونے والا ہے۔ اس لیے حضرت نے فرمایا کہ حاجی صاحب مدرسہ کے لیے الگ ہی جگہ مناسب ہے مسجد میں مدرسہ کا ہونا بہت سے اشکالات اور دشواریوں کا باعث ہوگا۔ یہ طلبہ کی قوم آزاد ہوتی ہے کبھی شکایت ہوگی کہ مسجد کے لوٹے ٹوٹ گئے کبھی فریاد ہوگی کہ مسجد کی صفیں گم ہوگئیں۔ ٹوٹ گئیں۔ لالٹینیں نہ رہیں غرض دشواریاں ہوں گی اس لیے یہی مناسب ہے کہ مدرسہ کا مکان مدرسہ کے نام سے الگ ہی ہو۔ لیکن حاجی صاحب مرحوم نے ہرگز اس رائے کو تسلیم نہیں کیا اور چونکہ طبیعت کا ایک خاص انداز تھا۔ اسی لیے اپنی رائے پر اصرار تھا۔ لوگوں کے چہرے بدلے ہوئے تھے۔ مگر حضرت نانوتوی کے حلم

لوگوں نے کہا حضرت آپ بھی تو اینٹ رکھیں۔ فرمایا ہاں میں بھی آپ سب کے ساتھ حاضر ہوں اور پھر خود بھی اینٹ رکھی۔ اس دن اہل اللہ کے قلوب پر ایک عجیب سرور تھا۔ ایک عجیب خوشی تھی اور سب کے دل فرحت سے مالا مال تھے۔

حاشیہ حکایت = ۲۵۲ مدرسہ کے مستقل عمارت نہ ہونے کی رائے کا منشا تذکرہ العابدین میں اس طرح لکھا ہے کہ وقت بنائے جانے مسجد کے یہ بات قرار پائی تھی کہ مسجد کی سہ دریوں میں مدرسہ رہے گا۔ علیحدہ نہیں بنوایا جائے گا۔ مگر کئی سال بعد اہل شوریٰ کا یہ مشورہ ہوا کہ مدرسہ علیحدہ بنوایا جائے۔ اس وقت حاجی صاحب نے کہا تم نے مسجد کا کام کیوں بڑھوا دیا۔ مسجد میں سہ دریوں کی کچھ ضرورت نہ تھی اور اسی کتاب میں لکھا ہے کہ مولانا محمد قاسم صاحب نے عذر کیا کہ مجھ کو علم نہیں تھا کہ اہل شوریٰ نے آپ سے پہلے ذکر نہیں کیا اور خفیہ طور سے مشورہ کیا ہے۔ میں معافی چاہتا ہوں اس سے دونوں حضرات کا عذر بالکل ظاہر ہے اور دونوں طرف سے معافی کی استدعا دونوں حضرات کے کمالات تواضع کی واضح دلیل ہے۔ (شت)

حکایت = ۲۵۳ عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا جب حضرت نانوتوی دہلی میں تعلیم پاتے تھے جس رستے کو جاتے تھے اس میں ایک مجذوب پڑا رہتا تھا۔ ایک دن اس نے بلایا۔ مولانا کے ہاتھ میں کتاب تھی۔ کہا تیرے ہاتھ میں کیا ہے۔ مولانا نے کتاب سامنے کر دی۔ اس نے اوراق الٹ پلٹ کر کے کچھ من من کی۔ پھر کتاب بند کر کے کہا جا تو بڑا عالم ہے۔

حکایت = ۲۵۴ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا راؤ عبدالرحمٰن خاں صاحب پنجلاسہ (پنجاب) میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے خلیفہ تھے اور بڑے زبردست صاحب کشف و حالات تھے۔ کشف کی یہ حالت تھی کہ کوئی لڑکا لڑکی کے لیے تعویذ مانگتا بے تکلف فرماتے جا تیرے لڑکا ہوگا۔ یا لڑکی ہوگی۔

لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیسے آپ بتاتے ہیں فرمایا کہ کیا کروں بے محابا مولود کی صورت سامنے آجاتی ہے۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ روپوش پنجلاسہ میں مقیم رہے ہیں اور وہیں توجہ کا حلقہ ہوتا تھا اس پر عبداللہ شاہ فرماتے کہ میاں یہ کیا حلقے وغیرہ تم نے بنائے ہیں۔ ہم نے اپنے بادشاہ (شاہ عبدالرحیم صاحب کو دیکھا ہے کہ نماز میں جب داہنا سلام پھیرا تو ادھر کی صف لوٹ گئی جب بایاں سلام پھیرا تو ادھر کے آدمی گر گئے نہ حلقہ تھا نہ مجلس۔ غرض عبداللہ شاہ اس رتبہ کے تھے۔ اور ایسے زبردست ان کے حالات تھے حضرت نانوتویؒ ان سے اکثر ملنے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اور ان کی یہ عادت تھی کہ مولانا سے ملتے ہی کہتے کہ آؤ حاجی قاسم اس پر مولانا فرماتے کہ حضرت میں حاجی تو نہیں ہوں۔ تو فرماتے کہ بھائی زبان سے یونہی نکل جاتا ہے۔ جب پہلے حج کو تشریف لے گئے ہیں تو براہ پنجاب فیروز پور کے دریا سے دریائے سندھ میں ہوتے ہوئے پہلا حج فرمایا ہے۔ راستہ میں پنجلاسہ کا علاقہ بھی پڑتا تھا۔ مولانا نے رفقائے سفر سے جن میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ بھی تھے اور حاجی محمد عابد صاحبؒ بھی تھے فرمایا کہ بھائی میں تو پنجلاسہ ضرور جاؤں گا۔ اور راؤ عبداللہ شاہ صاحب سے ضرور ملوں گا چنانچہ تشریف لے گئے اور ملے۔ راؤ صاحب نے فرمایا کہ آؤ حاجی قاسم مولانا نے فرمایا کہ بھائی میں تمہارے لیے کیا دعا کروں میں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں دونوں جہان کے بادشاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بخاری پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

حکایت = ۲۵۵ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ دہلی میں مولانا مملوک علی صاحب سے جب تعلیم پاتے تھے تو وہاں کے کالج میں مولانا کا نام داخل تھا۔ مگر بطور خود پڑھتے تھے لیکن امتحانات کی شرکت لازمی تھی۔ چنانچہ جب امتحان کا زمانہ آیا تو رام چندر جو بڑا مہندس تھا۔ اور ہندو سے کرسٹان ہو گیا تھا ہندسہ کا استاد تھا۔ اس نے مولانا کو بھی داخل ہندسہ کرنا چاہا

پڑھاتے تھے اور شکل کھینچنے کی ضرورت پڑتی تھی تو وہیں چٹائی کا کونہ اٹھا کر اور زمین پر انگلی سے شکل کھینچ کر سمجھا دیتے تھے۔ نہ پرکار تھی نہ اوزار تھے۔

حکایت = ۲۵۸ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت نانوتویؒ میرٹھ میں مثنوی شریف کا درس دے رہے تھے۔ اتفاقاً درس میں کوئی صاحب حال اور صاحب دل بھی آ نکلے۔ انہوں نے جب حضرت مولانا کے عالی مضامین سنے جو مثنوی میں بیان فرمائے جا رہے تھے تو بڑی حسرت سے کہنے لگے۔ کہ کاش اس شخص کو اس ظاہری علم کے ساتھ باطنی علم بھی ہوتا تو کیا اچھا تھا اور وہ محض خلوص اور نیک نیتی سے خلوت میں حضرت مولانا کے پاس تشریف لائے اور یہی فرمایا کہ کاش آپ کو باطنی علوم بھی ہوتے۔ حضرت مولانا نے ازراہ انکسار فرمایا۔ جی ہاں میں ایسا ہی محروم ہوں۔ اگر آپ ہی مجھ پر نظر شفقت فرما دیں تو میری نیک نصیبی ہے۔ اس پر وہ بزرگ متوجہ ہو کر مراقب ہوئے۔ ادھر حضرت مولانا بھی ضبط نسبت کے ساتھ مراقب ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ بزرگ ہاتھ جوڑ کر اٹھے کہ مولانا مجھے خبر نہ تھی کہ آپ میں یہ جوہر بھی علی اوجہ الاتم موجود ہے۔

حکایت = ۲۵۹ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ مولانا عبد العدل صاحب یا کسی اور نے مولانا سے عرض کیا کہ حضرت جب آپ سے کوئی کسی بات کا سوال کرتا ہے تو آپ برجستہ فرما دیتے ہیں کہ اس کے تین جواب ہیں یا پانچ جواب ہیں۔ تو کیا آپ نے پہلے سے سوالوں کے جوابات سوچ کر ان کی فہرست لگا رکھی ہے۔ یا آپ سوچ کر آتے ہیں۔ فرمایا کہ نہیں بلا اختیار میری زبان سے یونہی نکل جاتا ہے اور اتنے ہی جوابات دے کر میری طبیعت رک جاتی ہے۔

حکایت = ۲۶۰ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ باوجود جفاکشی اور مجاہد ہونے کے ساتھ ساتھ لطیف الطبع اور نازک دماغ تھے۔ تقریر فرما رہے تھے کہ اتفاقاً ایک نہایت ہی بد ہیئت شخص سامنے آکر

بیٹھ گیا تو حضرت مولانا کی طبیعت رک گئی۔ بالآخر کسی انداز سے اٹھے اور مجمع ایک دم تہ و بالا ہو گیا۔ اسی گز بڑ میں وہ شخص ہی سامنے سے ٹل گیا پھر آکر تقریر شروع فرمائی۔ اور اب طبیعت بے تکان تھی۔

حاشیہ حکایت = ۲۶۰ یہ لطافت امر فطری ہے۔ بعض اغبیا کا اس پر یا اس کے آثار پر اعتراض و نکیر فطرت پر اعتراض ہے۔ بہت سے بزرگوں کے واقعات لطافت کے تواتر کے پہنچے ہوئے ہیں۔ (ش ت)

حکایت = ۲۶۱ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ اکثر تقریر فرماتے ہوئے بیچ میں چند ایک منٹ سکوت فرماتے اور ایک دم رک جاتے تھے۔ اس پر عرض کیا گیا کہ حضرت مسلسل تقریر فرماتے ہوئے آپ کیوں رک جاتے ہیں۔ فرمایا کہ ایک ہی مضمون کے بیسیوں پیرائے اور عنوان ذہن میں ایک دم آتے ہیں۔ تو طبیعت رک جاتی ہے۔ اور میں اس پر غور کرنے لگتا ہوں کہ کسی کو لوں اور کس کو چھوڑوں۔

حکایت = ۲۶۲ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ دہلی کے جس کالج میں حضرت مولانا نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کا نام داخل تھا اس کے علوم عربیہ کے ممتحن مفتی صدر الدین صاحب ہوئے اور مولانا کا صدر کا امتحان ان کے پاس گیا۔ انہوں نے کوئی جگہ پڑھوائی۔ مولانا کے ذہن میں اس کا مطلب یہ تھا۔ کیونکہ وہ جگہ کبھی دیکھی نہ تھی تو اس پر تقریر کی اور خود جان رہے تھے کہ کتاب کا یہ مقصد نہیں ہے۔ مفتی صاحب نے اس پر اعتراض کیے تو مولانا نے مفتی صاحب کو ان ہی کی تقریروں میں الجھا لیا۔ لیکن اس پر غور کرتے رہے کہ مطلب کیا ہے۔ بالآخر ایک دم ذہن میں عبارت کا صحیح مطلب آ گیا تو فرمایا کہ مفتی صاحب آپ پوچھنا کیا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ "یہ بات" فرمایا کہ لاحول ولاقوۃ اس بات کا جواب تو یہ ہے۔ میں کچھ اور سمجھ رہا تھا مفتی صاحب نے فرمایا کہ ہاں یہی تو پوچھتا

تھا۔

حاشیہ حکایت = ۲۶۲ اور اس میں چونکہ کوئی مضرت اور مفسدہ نہ تھا نہ اسکا منشاء کبر تھا۔ بلکہ اپنی کامیابی امتحان کی اور اپنے مدرسہ و اساتذہ کی نیک نامی کی سراسر مصلحت اور منفعت ہی تھی۔ اس لیے اس تلطف میں کوئی محذ ورنہ تھا اور ذکاوت پر جو کہ کمالات محمودہ سے ہے ولالت جس درجہ کی ہے واضح ہے۔ علاوہ اس کے اگر اس کا اخلاق فاضلہ کے خلاف ہونا بھی ثابت ہو جائے تب بھی نو عمر طالب علموں پر ایسے مواخذات نہیں ہو سکتے جو شیوخ پر ہوتے ہیں۔ (شت)

حکایت = ۲۶۳ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے میں نے خود سنا ہے فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں نے حضرت نانوتویؒ سے کسی مسئلہ کے متعلق کچھ سوال کیا۔ اسوقت حضرت مولانا چھتے کی مسجد کے چھپر والے حجرے میں تھے۔ اور کوئی خاص کیفیت طاری تھی۔ مولانا نے اس مسئلہ پر تقریر شروع کی لیکن اس تقریر میں لفظ بھی غیر مانوس تھے۔ یہ مستعمل الفاظ نہ تھے۔ اور معانی بھی غیر مانوس جن کو میں قطعاً نہ سمجھ سکا۔ میں نے عرض کیا کہ کچھ نازل تقریر فرمایئے جو اس سے کچھ نازل تھی جس کے لفظ مانوس تھے۔ مگر معانی قطعاً بلند اور غیر مانوس جن کو میں نہ سمجھا۔ تیسری دفعہ میں نے پھر کہا کہ میں نہیں سمجھا۔ پھر اس سے اتر کر اور نازل تقریر کی جو کچھ قریب الی الفہم آگئی تھی۔ مگر میں پھر بھی نہ سمجھا اور میں نے عرض کیا کہ میں نہیں سمجھا تو فرمایا کہ مولانا پھر کسی وقت پوچھئے گا۔ چنانچہ مولانا محمد یعقوب صاحب اٹھ کر چلے آئے۔

حکایت = ۲۶۴ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ نے فرمایا کہ آب حیات (حضرت مولانا نانوتوی کی تصنیف) وغیرہ میں نے حضرت سے سبقاً" سبقا" پڑھی ہے آب حیات کے کچھ اوراق حضرت نے خود نکال دیئے تھے کہ انہیں کوئی نہیں سمجھے گا۔ وہ مولانا محمود حسن صاحب

کے پاس عم محترم نے خود دیکھے۔ لیکن اب بھی آب حیات (رسالہ) کا پانا آب حیات (چشمہ حیات) پانے سے کم مشکل نہیں۔

حاشیہ حکایت = ۲۶۲ و ۲۶۴ یہ دونوں واقعے احقر نے بھی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے تھوڑی تفاوت کے ساتھ سنے ہیں۔ اور دوسرے واقعے کی نسبت یہ بھی سنا ہے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے ان اوراق کے جدا کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اور وجہ اس کی یہ بیان فرمائی تھی کہ ان میں ایک اعتراض کا جواب ہے۔ اول تو اس اعتراض کو کوئی نہ سمجھے گا اور اگر سمجھ لیا تو پھر اس کا جواب سمجھ میں نہ آوے گا۔ اور شبہ ہی میں مبتلا رہے گا۔ (ش ت)

حکایت = ۲۶۵ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ منشی حمید الدین صاحب سنبھلی فرماتے تھے کہ حضرت نانوتوی ایک بزرگ سے ملنے کے لیے ریاست رامپور تشریف لے گئے۔ ساتھ مولانا احمد حسن صاحب اور منشی حمید الدین صاحب رحمہما اللہ علیہما تھے۔ ریل نہ تھی۔ مراد آباد سے اس طرح چلے کہ خود حضرت پا پیادہ ہو لئے۔ منشی صاحب کی بندوق اپنے کندھے پر رکھ لی اور بجبر منشی حمید الدین صاحب کو سواری پر بٹھا دیا۔ جس نے پوچھا کہ کون ہیں فرما دیتے کہ منشی حمید الدین صاحب رئیس سنبھل ہیں۔ گویا اپنے کو ایک ملازم کی حیثیت سے ظاہر کیا۔ اس لیے تاکہ خفیہ پہنچیں۔ جب رامپور پہنچے تو وہاں وارد و صادر کا نام اور پورا پتہ وغیرہ داخلہ شہر کے وقت لکھا جاتا تھا حضرت نے اپنا نام خورشید حسن (تاریخی نام) بتایا اور لکھا دیا اور ایک نہایت ہی غیر معروف سرائے میں مقیم ہوئے۔ اس میں بھی ایک کمرہ چھت پر لیا یہ وہ زمانہ تھا کہ تحذیر الناس کے خلاف اہل بدعات میں ایک شور برپا تھا۔ مولانا کی تکفیریں تک ہو رہی تھیں۔ حضرت کی غرض اس اخفا سے یہی تھی کہ میرے علانیہ پہنچنے سے اس بارے میں جھگڑے اور بحثیں نہ کھڑی ہو جائیں لیکن مراد آباد کے حضرات نے جب یہ سنا کہ مولانا

حاشیہ حکایت = ۲۶۵ و ۲۶۶ امراء کے ساتھ معاملہ کی ایک یہ شان ہے اور ایک دوسری شان بھی ہے جو بعض اوقات بزرگوں سے ظاہری ہوتی ہے کہ دلجوئی کے لیے ان سے مل لیتے ہیں اور ان پر لطف فرماتے ہیں جو مصلحت جس وقت غالب ہو اس وقت اسی پر عمل کرنا محمود ہوتا ہے کسی پر ملامت نہیں اور دوسرے واقعہ میں تو دونوں شانیں جمع فرمادیں۔ (شت)

حکایت = ۲۶۷ حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ دیوان محمد یسین صاحب دیوبندی نے فرمایا کہ قاضی پور میں جب حضرت نانوتویؒ تشریف لے گئے ہیں اور عشرۂ محرم تھا اور روافض نے اپنی مجلس میں آنے کی حضرت کو دعوت دی۔ حضرت نے فرمایا کہ منظور ہے مگر اس شرط سے کہ جب آپ لوگ مجلس میں کہہ سن چکیں گے تو ہم بھی کچھ کہیں گے وہ اس پر آمادہ نہیں ہوئے اور وہیں کچھ مذہبی گفتگو کرتے ہوئے ان سب روافض نے کہا کہ اگر آپ بیداری ہیں۔ ہم کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرا دیں۔ اور حضور اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرما دیں کہ آپ سچ کہہ رہے ہیں تو ہم اہل سنت و الجماعت میں داخل ہو جائیں گے فرمایا کہ تم سب اس پر پختہ رہو تو میں بیداری میں زیارت کرانے کے لیے تیار ہوں مگر یہ روافض کچھ کچے ہو گئے۔

حاشیہ حکایت = ۲۶۷ یا تو اس تصرف پر قدرت معلوم ہوگی بالواقسم علی اللہ لابرہ پر اعتماد ہوگا۔ وبحمدللہ بھنا انتہت الحواشی الملقب بہ سقایات الصیب المزیلنہ الغواشی المنعلقۃ بروایات الطیب (شت)

حکایت = ۲۶۸ حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے چھتہ کی مسجد میں فرمایا جبکہ لوگوں کا مجمع تھا کہ بھائی آج ہم تو صبح کی نماز میں مرجاتے۔ بس کچھ ہی کسر رہ گئی۔ عرض کیا گیا کیا حادثہ پیش آیا۔

فرمایا کہ آج صبح کی نماز میں سورۂ مزمل پڑھ رہا تھا کہ اچانک علوم کا اتنا عظیم الشان دریا میرے قلب کے اوپر گزرا کہ میں تحمل نہ کر سکا۔ قریب تھا کہ میری روح پرواز کر جائے مگر وہ دریا جیسا کہ ایک دم آیا ویسا ہی نکلا چلا گیا۔ اس لیے میں بچ گیا۔ نماز کے بعد جب میں نے غور کیا کہ یہ کیا معاملہ تھا تو منکشف ہوا کہ حضرت مولانا نانوتوی ان ساعتوں میں میری طرف میرٹھ میں متوجہ ہوئے تھے۔ یہ ان کی توجہ کا اثر تھا۔ پھر فرمایا کہ اللہ اکبر جس شخص کی توجہ کا یہ اثر ہے کہ علوم کے دریا دوسروں کے قلب پر موجیں مارنے لگیں اور تحمل دشوار ہو جائے تو خود اس شخص کے قلب کی وسعت وقوت کا کیا حال ہوگا جس میں خود وہ علوم ہی سمائے ہوئے ہوں اور وہ کس طرح ان علوم کا تحمل کیے ہوئے ہوگا۔

حکایت = ۲۶۹ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ حضرت نانوتویؒ فرمایا کرتے تھے کہ مشاہیر امت میں تین قسم کے افراد گزرے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ حقائق شرعیہ میں ان کا ذہن طول و عرض میں چلتا ہے جیسے امام رازیؒ کہ ہر مسئلے میں پھیلتے زیادہ ہیں۔ اور ترتیب و تفصیل و تہذیب مواد میں زیادہ مستعد ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ جن کا ذہن علو کی طرف زیادہ چلتا ہے جیسے شاہ ولی اللہ صاحبؒ کہ حقائق میں اس قدر بلند پرواز ہیں کہ اصحاب ذوق کو بھی ان کے مدرک تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور بعض ایسے ہیں جن کا ذہن عمق کی طرف زیادہ دوڑتا ہے جیسے امام ابو حنیفہؒ کہ ہر مسئلہ کی تہ اور اصلیت کا سراغ لگا لیتے ہیں۔ اور ایسی اصل قائم فرما دیتے ہیں کہ سینکڑوں تفریعات اس سے ممکن ہو جاتی ہیں۔

(منقول از روایات الطیب)

حکایت = ۲۷۰ فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ جب کچھ تصنیف فرماتے تو ایک جزو لکھ کر نقل کے لیے دیتے تھے۔ اور آپ کے مضمون کے ناقل دو ہوتے تھے۔ ایک بتلاتا اور دوسرا لکھتا۔ وہ جزو نقل نہ ہونے پاتا تھا کہ حضرت

دوسرا جزو تصنیف فرمادیتے تھے۔

حکایت = ۲۷۱ فرمایا کہ امیر شاہ خاں صاحبؒ فرماتے تھے کہ بزرگوں کی شانیں مختلف ہوتی ہیں۔ بعضوں کے خدام تو اپنے شیخ کے عاشق ہوتے ہیں اور بعضوں کے نہیں ہوتے۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے خدام آپ کے عاشق تھے۔

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خندان ست
بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالان ست

حکایت = ۲۷۲ فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا محمد قاسم صاحب کے پاس آپ کے خادم مولوی فاضل حاضر تھے۔ مولانا نے ان کو مٹھائی تقسیم کرنے کے واسطے فرمایا (کیونکہ مولانا کا کوئی جلسہ مٹھائی سے خالی نہ ہوتا تھا۔ اگر کہیں سے آئی ہوئی موجود نہ ہوئی تو خود منگوا کر تقسیم فرماتے) انہوں نے تقسیم کر دی۔ آخر میں اتفاق سے اس میں تھوڑی سی مٹھائی بچ گئی تو آپنے فرمایا۔ الفاضل للقاسم (یعنی بچی ہوئی مٹھائی قاسم کی ہے یا بچی ہوئی مٹھائی تقسیم کنندہ کی ہے) انہوں نے جواب دیا۔ (الفاضل للفاضل و القاسم محروم) یعنی فاضل مٹھائی تو مسمی فاضل کی ہے اور قاسم محروم ہیں' یا یہ کہ بچی ہوئی صاحب فضیلت یعنی آپ کی ہے اور تقسیم کنندہ محروم ہے اہل علم کے لطیفے بھی علمی ہوتے ہیں۔

حکایت = ۲۷۳ فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ جہاز میں روز ایک پارہ حفظ کر کے شام کو تراویح سنا دیا کرتے تھے اور آہستہ آہستہ یاد فرماتے تھے کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلا یہ حضرت مولانا کی کرامت ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے رمضان شریف میں آدھا قرآن شریف حفظ کر لیا تھا۔ تبسم سے فرمایا کہ چونکہ وہ مولانا سے آدھے تھے۔ اس لیے کرامت بھی آدھی ہوگئی۔

حکایت = ۲۷۴ فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرماتے تھے کہ

کرتے ہو خدا تعالیٰ بے نوکری ہی اتنا دے گا کہ ان سو سو پچاس پچاس روپے کے نوکروں سے اچھا رہے گا۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت = ۲۸۲ ایک مرتبہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ ایام روپوشی میں دیو بند تھے۔ زنانہ مکان کے کوٹھے پر مردوں میں سے کوئی تھا نہیں زینہ میں آکر فرمایا پردہ کر لو میں جاتا ہوں۔ عورتوں سے رک نہ سکے۔ باہر چلے گئے۔ بعضے مرد بازار میں تھے ان کو اطلاع کی وہ اتنے میں مکان پہنچے تو دوڑ سرکاری آدمیوں کی پہنچ گئی۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت = ۲۸۳ مولانا محمد یعقوبؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنے مکان مملوک میں جو چیلوں کے کوچہ میں تھا جا رہا تھا۔ مولوی صاحب (یعنی مولانا محمد قاسم صاحبؒ) بھی میرے پاس آرہے۔ کوٹھے پر ایک جھلنگا پڑا ہوا تھا اس پر پڑے رہتے تھے۔ روٹی کبھی پکوا لیتے تھے اور کئی کئی وقت تک اسے ہی کھاتے تھے میرے پاس آدمی روٹی پکانے والا نوکر تھا۔ اس کو یہ کہہ رکھا تھا کہ جب مولوی صاحب کھانا کھاویں سالن دے دیا کرو۔ مگر بر قت کبھی اس کے اصرار پر لے لیتے تھے ورنہ وہی روکھا سوکھا ٹکڑا چبا کر پڑے رہتے تھے۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت = ۲۸۴ مولانا محمد قاسم صاحب فرماتے تھے کہ اس علم نے خراب کیا ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا۔ (اس کے بعد مولانا محمد یعقوبؒ تحریر فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں اس شہرت پر بھی کسی نے کیا جانا جو کمالات تھے وہ کس قدر تھے کیا ان میں سے ظاہر ہوئے۔ آخر سب کو خاک میں ملا دیا اور اپنا کہنا کر دیکھایا۔ (انتھی بقول مولانا محمد یعقوب)

حکایت = ۲۸۵ مولوی محمد قاسم صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب میں گنگوہ حاضر ہوا تو حضرت کی سہ دری میں ایک کورا بدھنا رکھا ہوا تھا میں نے اس کو اٹھا کر کنوئیں سے پانی کھینچا اور اس میں بھر کر پیا تو پانی کڑوا پایا۔ ظہر کی نماز

کے وقت حضرت سے ملا اور یہ قصہ بھی بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کنویں کا پانی تو کڑوا نہیں ہے۔ میٹھا ہے۔ میں نے وہ کوزا بدھنا پیش کیا حضرت نے بھی چکھا تو بدستور تلخ تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا اس کو رکھیں۔ نماز ظہر کے بعد حضرت نے سب نمازیوں سے فرمایا کہ کلمہ طیب جس قدر جس سے ہو سکے پڑھو۔ اور حضرت نے بھی پڑھنا شروع کیا۔ بعد میں حضرت نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور نہایت ہی خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگ کر ہاتھ منہ پر پھیر لئے۔ اس کے بعد بدھنا اٹھا کر پانی پیا تو شیریں تھا۔ اس وقت مسجد میں بھی جتنے نمازی تھے سب نے چکھا تو کسی قسم کی تلخی نہ تھی۔ بعد میں حضرت نے فرمایا کہ اس بدھنے کی مٹی اس قبر کی ہے جس پر عذاب ہو رہا تھا الحمدللہ کلمہ کی برکت سے عذاب رفع ہو گیا۔
(از تحریرات بعض ثقات)

حکایت = ۲۸۶ ایک مرتبہ مولانا گنگوہیؒ نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ مولانا محمد قاسمؒ کو گلاب سے زیادہ محبت تھی۔ جانتے بھی ہو کیوں تھی۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ ایک حدیث ضعیف میں آیا ہے کہ گلاب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عرق مبارک سے بنا ہوا ہے۔ فرمایا ہاں۔ اگرچہ حدیث ضعیف ہے مگر ہے تو حدیث۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت = ۲۸۷ مولوی محمد نظر خاں نے ایک پرچہ مولانا نانوتویؒ کو بغرض بیعت لکھ کر دیا۔ مولانا نے اس کو پڑھکر جیب میں رکھ لیا اتفاق سے مولانا گنگوہیؒ نانوتہ تشریف لائے۔ مولوی محمد نظر خاں خبر پا کر نانوتہ آئے۔ اور وہی مضمون لکھ کر مولانا گنگوہی کو پیش کیا اور اس میں یہ بھی لکھا کہ اس مضمون کو میں نے مولانا نانوتوی کو بھی لکھا۔ مگر کچھ جواب نہ دیا۔ جس وقت یہ تحریر دی ہے تو مولانا اس وقت ظہر کا وضو کر رہے تھے۔ پاس ہی مولانا نانوتوی بھی وضو بنانے آ بیٹھے۔ اتفاق سے مولوی محمد نظر خان سامنے ہی کھڑے تھے۔ مولانا گنگوہی نے مولانا

تصرف تھا تو اس کے اخفا کے لیے کسی حیلہ کا اہتمام نہ فرمانا یہ بھی ایک مذاق ہے جیسا کہ اس کے قبل کی حکایت میں اخفا ایک مذاق ہے۔ منشا علم اخفا کا بعد ہے وسوسۂ ریا سے۔ یعنی یہ احتمال ہی نہیں ہوا کہ اس میں ریاء ہو گی۔ ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است۔ (شت)

حکایت = ۳۰۲ خاں صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی کی طبیعت علیل تھی اور میں آپ کے پاس اکیلا تھا اور پاؤں دبا رہا تھا۔ یہ زمانہ وہ تھا جس زمانہ میں براہین قاطعہ شائع ہوئی تھی۔ اور اس پر لوگوں میں شورش ہو رہی تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر جلوہ افروز ہیں اور مجھے سامنے کھڑا کیا ہے اور مجھ سے امتحاناً سو مسئلے پوچھے اور سو کے سو کا جواب میں نے دے دیا ہے۔ اور آپ نے سب کی تصویب فرمائی اور نہایت مسرور ہوئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس روز سے میں نہایت خوش ہوں اور سمجھتا ہوں کہ اگر سارے عالم میرے خلاف ہوں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ حق میری جانب ہو گا۔

حاشیہ حکایت = ۳۰۲ قولہ سارے عالم اقول۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور مولانا کے نزدیک کثیر کے مقابلہ میں واحد حق پر ہو سکتا ہے۔ مولانا سے عقیدت رکھ کر کوئی اس خلاف کا قائل ہو وہ اس سے محجوج ہے۔ (شت)

(منقول از امیر الروایات)

حکایت = ۳۰۳ خاں صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ زمانہ طالب علمی میں بوجہ حدیث شریف پڑھنے کے عرصہ تک شاہ عبد الغنی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری رہی اور اس وجہ سے بار بار بیعت کا ارادہ حضرت شاہ صاحب ہی سے ہوتا تھا مگر ہر مرتبہ مولانا نانوتویؒ فرماتے کہ نہیں بیعت تو حضرت امدادؒ ہی سے کریں گے۔

حاشیہ حکایت = ۳۰۳ قولہ بیعت تو حضرت امداد ہی سے کریں گے۔

اقول مدار اس کشش کا مناسبت ہے۔ اس کو تفاضل میں کچھ دخل نہیں۔ حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے۔ الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منها ائتلف وما تناکر منها اختلف اور اسی باب میں کہا گیا ہے

ہمہ شہر پر ز خوباں منم و جمال ماہے
چہ کنم کہ چشم بد خو نکند کسے نگاہے

اور ایسی ترجیحات کو تفاضل پر مبنی کرنا یا اس سے تفاضل پر استدلال کرنا رجم بالغیب ہے۔

حکایت = ۳۰۴ خاں صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے خود مجھ سے فرمایا کہ جب میں ابتداء گنگوہ کی خانقاہ میں آکر مقیم ہوا ہوں تو خانقاہ میں بول و براز نہ کرتا تھا۔ بلکہ باہر جنگل جاتا تھا کہ شیخ کی جگہ ہے۔ حتی کہ کہ لیٹنے اور جوتے پہن کر چلنے پھرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

حاشیہ حکایت = ۳۰۴ افسوس ایسی جماعت کو معاندین بے ادب کہتے ہیں۔ بلکہ اگر اس پر افراط فی الادب ہونے کا شبہ کیا جاتا تو گنجائش تھی جس کا جواب ہم غلبہ حال سے دیتے اور ایسا غلبہ اخیر میں اعتدال سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ (شت)

حکایت = ۳۰۵ حضرت والد ماجد مولانا حافظ محمد احمد صاحب عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمتہ اللہ علیہما نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ گنگوہ کی خانقاہ میں مجمع تھا۔ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ کے مرید و شاگرد سب جمع تھے۔ اور یہ دونوں حضرات بھی وہیں مجمع میں تشریف فرما تھے۔ کہ حضرت گنگوہیؒ نے حضرت نانوتوی سے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ یہاں ذرا لیٹ جاؤ۔ حضرت نانوتویؒ کچھ شرما سے گئے۔ مگر حضرت نے پھر فرمایا تو مولانا بہت ادب کے ساتھ چت لیٹ گئے۔ حضرت بھی اسی چارپائی پر لیٹ گئے اور مولانا کی طرف کو کروٹ لے کر اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھ دیا جیسے کوئی عاشق صادق اپنے قلب کو تسکین

دیا کرتا ہے۔ مولانا ہر چند فرماتے ہیں کہ میاں کیا کر رہے ہو یہ لوگ کیا کہیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ لوگ کہیں گے کہنے دو۔

حاشیہ حکایت = ۳۰۵ اس سے زیادہ خود داری کی فنا کی نظیر کیا ہو گی۔ کیا اہل تصنع ایسا کر سکتے ہیں۔ ان پر تو یہ موت سے زیادہ گراں ہے اور مولانا گنگوہی کا یہ حال تھا کہ رنگ فنا خجلت پر غالب تھا اور مولانا نانوتویؒ کا یہ کمال تھا کہ خجلت پر فنا کو مجاہدے سے غالب کر دیا۔

ہر گلے را رنگ و بوے دیگرست

حکایت = ۳۰۶ خاں صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ مجھے محمود (حضرت کے صاجزادے) مرحوم کا صدمہ ضرور ہے مگر مولانا کی وفات کے صدمے کا مقابلہ کوئی صدمہ نہیں کر سکتا۔ اور اس واقعہ کو حضرت گنگوہی نے ایک مجمع میں فرمایا کہ اگر وہ بات نہ ہوتی تو میں مولانا کے صدمہ کا تحمل نہ کر سکتا اور مر جاتا۔ اس پر مولوی محمد حسین صاحب مراد آبادی نے جرات کر کے عرض کیا کہ حضرت وہ بات کیا۔ فرمایا۔ میاں وہی" انہوں نے پھر ذرا جرات کر کے عرض کیا کہ حضرت وہی اور وہ بات کا آخر مطلب کیا ہے۔ فرمایا وہی چیز جس کی وجہ سے تم میرے پاس آتے ہو۔

حاشیہ حکایت = ۳۰۶ اور میں نے بجائے اس عبارت کے کہ وہی چیز جس کی وجہ سے تم میرے پاس آتے ہو کسی راوی سے یہ الفاظ سنے ہیں کہ وہی چیز جس کی وجہ سے تم مجھ کو جو بڑا سمجھتے ہو۔ مراد نسبت باطنہ سے ہے کہ اس سے ایسی مقاومت کی قوت ہوتی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ طبعی منافی کمال باطنی کے نہیں۔ مگر ناقص کی طبیعت غالب ہو جاتی ہے اور کامل کی عقل اور دین (شت)

حکایت = ۳۰۷ خاں صاحب نے فرمایا ایک دفعہ حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ جوش میں تھے اور تصور شیخ کا مسئلہ در پیش تھا۔ فرمایا کہ کہ دوں

عرض کیا گیا کہ فرمایئے۔ پھر فرمایا کہ کہہ دوں۔ عرض کیا گیا کہ فرمایئے۔ پھر فرمایا کہ دوں عرض کیا گیا فرمایئے تو فرمایا کہ تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے۔ اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا پھر اور جوش آیا۔ فرمایا کہہ دوں عرض کیا گیا کہ حضرت ضرور فرمایئے۔ فرمایا کہ (اتنے) یاد نہیں رہا کہ کتنے سال خاں صاحب نے فرمائے ۔ ۱۲ سال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی بات بغیر آپ سے پوچھے نہیں کی۔ یہ کہہ کر اور جوش پیدا ہوا فرمایا کہ اور کہدوں۔ عرض کیا گیا کہ فرمایئے۔ مگر خاموش ہو گئے۔ لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ بس رہنے دو۔ اگلے دن بہت سے اصراروں کے بعد فرمایا کہ بھائی پھر احسان کا مرتبہ رہا۔

حاشیہ حکایت = ۳۰۷ بار بار استفسار فرمانا کہ کہہ دوں امتحان اشتیاق و اہلیت مخاطب کے لیے ہو گا۔ کیونکہ ایسے اسرار کے تحمل کا ہر شخص اہل نہیں ہے

برسماع راست ہر تن چیر نیست
طعمہ ہر مرغکے انجیر نیست

اور دوسری بار میں اس سوال کا تکرار نہ کرنا شاید اس لیے ہو کہ اب ضرورت نہیں رہی۔ اور ایک بار سوال کرنا اس لیے کہ طلب کے بعد حصول اوقع فی النفس ہے۔ اور صورت کا حاضر رہنا اور اس سے مشورہ لینا یہ اکثر تو تخیل کی قوت ہے اور کبھی بطور خرق عادت کے روح کا تمثل بہ شکل جسد ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں صورتوں میں لزوم و دوام کے ساتھ حاضر و ناظر ہونے کے اعتقاء کی یا استعانت و استغاثہ کے عمل کی گنجائش نہیں اور اس کے بعد مرتبہ کی نسبت فرمایا کہ بس رہنے دو۔ اور اس کے بعد اصرار پر جواب میں مرتبہ احسان کا ذکر فرمانا اگر یہ اسی مرتبہ مسکوت عنہا کی تفسیر ہے۔ تب تو اس وقت کا نہ بتلانا شاید اس حکمت کے لیے ہو کہ اہل ظاہر کی نظر میں یہ پہلے دو مرتبہ سے زیادہ نہیں ہے۔ تو اس کی کچھ وقعت نہ ہوتی۔ بعد اصرار کے فرمانے میں حالاً اس کی تعلیم ہے کہ یہ ان سب سے بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ یہ مقصود اور مقام ہے اور وہ مرتبے غیر مقصود اور حال

ہیں۔ وشتان ما بینہما اور اگر یہ اس کی تفسیر نہیں ہے تو اس کا اخفا فرمایا۔ شاید افہام عامہ اس کے متحمل نہ ہوتے۔ شاید تجلیات ربانیہ میں سے کوئی تجلی ہو اور اس کی کیفیت بتلانے سے علمی اشکالات واقع ہوا کرتے ہیں۔ (شت)

حکایت = ۳۰۸ خاں صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے مولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی سے فرمایا کہ فلاں مسئلہ شامی میں دیکھو مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وہ مسئلہ شامی میں تو ہے نہیں فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ لاؤ شامی اٹھا لاؤ۔ شامی لائی گئی۔ حضرت اس وقت آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے۔ شامی کے دو ثلث اوراق دائیں جانب کر کے اور ایک ثلث بائیں جانب کر کے اس انداز سے کتاب ایک دم کھولی اور فرمایا کہ بائیں طرف کے صفحے پر نیچے کی جانب دیکھو۔ دیکھا تو وہ مسئلہ اسی حصے میں موجود تھا۔ سب کو حیرت ہوئی۔ حضرت نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ میری زبان سے غلط نہیں نکلوائے گا۔

حاشیہ حکایت = ۳۰۸ وہی مقام نکل آتا گو اتفاقاً" بھی ہو سکتا ہے مگر قرائن سے یہ باب کشف سے معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ جزم کے ساتھ نہ فرماتے کہ فلاں موقع پر دیکھو اور غلط سے مراد بے اصل ہے۔ خطائے اجتہاد کی نفی مراد نہیں۔ (شت)

حکایت = ۳۰۹ خاں صاحب نے فرمایا کہ نواب لطف علی خان رئیس چھتاری بیمار ہوئے اور مجھے مع ایک ہمراہی کے داو کرانے کے لیے پہلے دیو بند بھیجا کہ حاجی عابد حسینؒ سے دعائے صحت کراؤ اور پھر گنگوہ پہنچ کر حضرت سے دعا صحت کراؤ میں دیوبند سے دعا کرا کر گنگوہ پہنچا حضرت نے ایک حکایت سنانی شروع کی کہ کسی رئیس کو باجہ سننے کا شوق تھا۔ ہر قسم کے باجہ بجانے والے آتے تھے۔ ایک دن جب کئی قسم کے مختلف باجے بجائے جا رہے تھے ایک صاحب اپنی لاٹھی منہ میں لے کر ہو ہو کرنے لگے۔ رئیس نے تمام باجے رکوا کر کہا کہ اب بجاؤ۔ تو

انہوں نے کہا حضور میرا باجہ تو رگکڈے ہی میں بجا کرتا ہے۔ یہ حکایت سنا کر فرمایا کہ لوگ آتے ہیں کہیں کہیں رگکڈے میں یہاں بھی آنکلتے ہیں۔ میرے پاس کیا رکھا ہے۔ پھر دوسرے وقت خلوت میں مولوی حبیب الرحمٰن صاحب سے فرمایا کہ مجھے تو ان کی صحت کی طرف سے مایوسی ہے۔ کیا کروں میرے دل میں تو ان کی صحت آتی نہیں۔ میں (خاں صاحب) واپس ہو گیا۔ یہاں تک کہ شعبان آگیا اور مدارس کی تعطیل ہو گئی نواب یوسف علی خان نے مجھے پھر دوبارہ یہ کہہ کر روانہ کیا کہ دیو بند سے مولوی حافظ احمد صاحب کو ساتھ لو اور گنگوہ پہنچ کر مولوی مسعود احمد صاحب اور مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کو ساتھ لو اور تم چاروں مل کر حضرت سے نہایت التجا کر کے یہ عرض کرو کہ حضرت اب تو لطف علی خان کے لیے ویسی ہی دعا کر دیجئے جیسی مکہ مکرمہ میں یوسف علی خاں کے لیے کی تھی۔ چنانچہ میں دیو بند سے مولوی احمد صاحب کو لے کر گنگوہ پہنچا اور تخلیہ میں مولوی مسعود احمد صاحب سے سارا واقعہ عرض کر دیا۔ اور خلوت کے منتظر رہے۔ لیکن خلوت کا موقع نہ ملا۔ ملا شمس الدین اور مولوی ظہور الحسن صاحب رجسٹرار آئے ہوئے تھے اور تمام وقت صبح سے دس گیارہ بجے تک حجرے میں رہے اسی مجلس میں میں اور حافظ صاحب حجرے میں داخل ہوئے اور سلام کیا رمضان کا مہینہ تھا۔ حضرت نے فرمایا خیر تو ہے کیوں آئے۔ ہم نے عرض کیا حضرت عرض کریں گے۔ ابھی تک خلوت کا موقع نہیں ملا تھا۔ کہ حضرت قضائے حاجت کے لیے اٹھے اور واپس ہو کر حجرہ بند فرمایا تو پھر شمس الدین اور ایک اور صاحب کواڑ کھول کر حجرے میں داخل ہونے لگے۔ حضرت نے فرمایا کون؟ ان کی جو شامت آئی بول پڑے کہ شمس الدین۔ جھڑک کر فرمایا پس ان کا نکلنا تھا کہ خلوت ہو گئی۔ فوراً مولوی مسعود احمد صاحب اور مولوی حبیب الرحمٰن صاحب بلا لئے گئے۔ اور ہم سب نے مل کر ایک تمہید اٹھائی کہ حضرت لطف علی خاں ایسے ہیں اور ایسے ہیں اور مدرسہ دیو بند کے اس قدر بہی خواہ ہیں۔ حضرت ان کے لیے دعائے صحت فرمائیں۔ فرمایا کہ بھائی کیا کروں میرے دل میں تو ان کی صحت آتی نہیں۔ پھر ہم لوگوں نے

گے ان کے ساتھ کھانا کھائیو۔ بچے روتے ہوئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مچلتے ہوئے کہتے کہ جلدی چلو ہمیں گھر چل کر کھانا کھلاؤ۔ حضرت ان کے ہمراہ گھر میں تشریف لاتے اور بیٹھ کر خود بھی ان کے ساتھ آبدیدہ ہوتے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ میرے گناہوں کے باعث ان معصوم بچوں پر بھی مصیبت آئی یہی قصہ دن میں دو چار دفعہ ہوتا تھا۔

حکایت = ۳۴۵ ایک مرتبہ فرمایا کہ شیخ عبدالقدوس عشاء کی نماز کے بعد ذکر بالجہر کرنے بیٹھتے اور صبح تک کرتے تھے۔ سو جس کا ذکر اتنا لمبا ہو اس کا حال کتنا لمبا ہوگا۔

حکایت = ۳۴۶ ایک بار آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اور میرے گھر کے لوگوں نے فاقے اٹھائے مگر الحمدللہ میں نے کبھی قرض نہیں لیا۔

استاذ العلماء جناب مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی صدر مدرس دارالعلوم دیوبند قدس اللہ سرہ کی حکایات

حکایت = ۳۴۷ خان صاحب نے فرمایا کہ جس زمانہ میں ملکہ کی تاجپوشی کا جلسہ ہوا اس زمانہ میں مولوی محمد یعقوب صاحب دہلی میں تھے اور اکثر غائب رہتے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ حضرت آپ کہاں غائب رہتے ہیں۔ فرمایا مجھے حکم ہوا ہے کہ دہلی میں جس جس جگہ تمہارا قدم جائے گا ہم اس جگہ کو آباد کر دیں گے میں اسی لیے اکثر شہر اور حوالی شہر میں گشت کیا کرتا ہوں تاکہ ویران مقامات آباد ہو جاویں۔ خاں صاحب نے فرمایا کہ اس جلسہ میں مولوی عبدالحق صاحب مولف تفسیر حقانی اور مولوی فخرالحسن گنگوہی بھی موجود تھے۔ اور مولوی عبدالحق صاحب نے اس مقام کے آباد ہونے کی کیفیت مولوی ناظر حسن صاحب سے بیان کی اور کہا کہ جس جگہ اس زمانہ میں دربار ہوا تھا اور جہاں جہاں مولوی محمد یعقوب صاحب پھرے تھے وہ جگہ اکثر آباد ہو گئی ہے۔

حاشیہ حکایت = ۳۴۷ قولہ مجھے حکم ہوا ہے **اقول** یہ شان شان اقطاب التکوین کی ہوتی ہے۔ بعض مقبولین کو قطبیب ارشاد یہ کے ساتھ قطبیب تکوینیہ کا مرتبہ بھی عطا ہوتا ہے۔ اور مولانا کی قطبیب ارشادیہ میں کلام نہیں ہو سکتا (شت)

حکایت = ۳۴۸ خاں صاحب نے ارشاد فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب قدس اللہ سرہ چھتہ کی مسجد میں انار کے نیچے بیٹھے ہوئے وضو کر رہے تھے اور میں پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ آپ مجھ سے باتیں کر رہے تھے۔ حکیم عبدالسلام ملیح آبادی ابن جناب مفتی حسین احمد صاحب مفتی صاحب حدیث میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد اور اچھے شاگردوں میں تھے۔ اور شاہ غلام علی صاحب سے مستفیض تھے۔ حاجی محمد عابد صاحب سے باتیں کر رہے تھے۔ اور یہ کہہ رہے تھے کہ ایک میرے دوست لکھنؤ کے باشندے نصف مجذوب مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ جب میرا مکہ جانے کا اتفاق ہوا تو واپسی کے وقت انہوں نے شدومد سے یہ فرمایا کہ تم یہیں رہو۔ ہندوستان مت جاؤ۔ اس واسطے کہ وہاں انقلاب ہو رہا ہے جو غدر سابق سے بڑھ کر ہوگا۔ یہ سن کر جناب مولوی محمد یعقوب صاحب نے چونک کر اور پیچھے کو مڑ کر ان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ وہ کون ہیں اور ان کو ہندوستان سے کیا تعلق ہے ہندوستان ہمارا ہے یا ان کا۔ یہاں کچھ نہیں ہوگا۔ رات کو ان کی دن کو ان کی رات کو ان کی دن کو ان کی (یہ فقرہ کئی بار فرمایا) بوریا لپٹ جائے گا۔ جھاڑو پھر جائے گی۔ کسی قسم کا غدر نہیں ہوگا۔ اس پر حاجی محمد عابد صاحب نے حکیم عبدالسلام سے کہا کہ سن لو یہ ہمارے مجذوب ہیں۔

حاشیہ حکایت = ۳۴۸ قولہ وہ کون ہیں۔ **اقول** یہ اسی شان قطبیت کی فرع ہے۔ (شت)

حکایت = ۳۴۹ خان صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ صبح کے وقت جناب مولوی محمد یعقوب صاحب مدرسہ میں اپنی درسگاہ میں پریشان اور خاموش بیٹھے

تھے میں اور چند دوسرے اشخاص بھی اس وقت پہنچ گئے مولانا نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ افوہ رات مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی۔ میں نے حق تعالیٰ سے کچھ عرض کیا حضور نے کچھ جواب ارشاد فرمایا۔ میں نے پھر کچھ عرض کیا (جو کہ ظاہراً گستاخی میں داخل تھا) اس کے جواب میں ارشاد ہوا بس چپ رہو بکو مت۔ ایسی گستاخی یہ سن کر میں خاموش ہو گیا اور بہت کچھ استغفار اور معذرت کی بالآخر میرا قصور معاف ہو گیا اس کے بعد آسمان سے ایک پیڑھا' یا کھٹولا (یہ مجھے یاد نہیں کہ کیا فرمایا تھا) اترا جس کی پٹیاں سیروے پائے سب الگ الگ تھے میں نے عرض کیا کہ حضور میں سمجھ گیا۔ حضور نے فرمایا۔ ہاں انتہا کلامہ الشریف خاں صاحب نے فرمایا یہ وہ زمانہ تھا جس زمانہ میں حضرت مولانا نانوتوی بمرض موت علیل تھے۔ مولوی فخر الحسن نے اس واقعہ کو حضرت مولانا کی خدمت میں بیان کیا تو آپ گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔ اور گھبرا کر فرمایا کہ افوہ مولوی محمد یعقوب نے ایسا کہا توبہ توبہ بھائی یہ انہیں کا کام تھا۔ کیونکہ وہ مجذوب ہیں اگر ہم ایسی گستاخی کرتے تو ہماری تو گردن نپ جاتی۔

حاشیہ حکایت = ۳۴۹ قولہ کیونکہ وہ مجذوب ہیں۔ **اقول** بعض مراتب مجذوبیت میں ایسے اقوال اداخل اول ہو کر عفو فرما دیئے جاتے ہیں اور بعض مجاذیب ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر جذب کا اثر کسی وقت ہوتا ہے۔ احقر نے خود مولانا سے سنا ہے کہ ایک بار خط لکھ کر میں نے دستخط کرنا چاہا تو اپنا نام بھول گیا۔ بجز جذب اور اس کا سبب کیا ہو سکتا ہے۔ (شت)

حکایت = ۳۵۰ خاں صاحب نے فرمایا کہ حاجی منیر خاں صاحب خانپوری (یہ صاحب مولوی محمد یعقوب صاحب برادر خورد جناب مولوی محمد اسحٰق صاحب ملقب بہ چھوٹے میاں صاحب سے بیعت تھے) اور فیض محمد خاں صاحب نواب وناولی اور میاں جی محمدی صاحب (یہ میرے استاد اور سید صاحب سے بیعت تھے اور اورنگ آباد کے رہنے والے تھے اور نواب قطب الدین خاں صاحب اور میاں رحیم داد صاحب خورجوی اور مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ یہ لوگ میں نے ایسے دیکھے جن کی ولایت کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ ان کے

چہروں ہی سے دیکھنے والوں کو معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ حضرات اولیاء اللہ ہیں۔ اس پر میں ایک بات سناتا ہوں مراد آباد کی شاہی مسجد میں ایک صاحب امام تھے۔ مجھ سے ان سے بہت ملاقات تھی وہ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ قرآن بہت اچھا پڑھتے تھے۔ حج بھی بہت کئے تھے۔ مگر ہمارے بزرگوں کے ساتھ ان کو عقیدت نہ تھی بلکہ کچھ سوء عقیدت تھے۔ ایک روز کسی پنجابی صاحب کے یہاں مولوی محمد یعقوب صاحب قدس سرہ کی دعوت تھی۔ دعوت میں میں بھی شریک تھا اور وہ امام صاحب بھی۔ اور ہم لوگ دروازے کے قریب بیٹھے تھے۔ جب کھانے سے فراغت ہو چکی تو ہم دونوں باہر آکر کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں مولانا محمد یعقوب صاحب کسی سے باتیں کرتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے نکلے۔ امام صاحب نے جو مولانا کی صورت دیکھی تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہا کہ مجھے ان حضرات سے ناحق بداعتقادی تھی۔ ان کی نورانی صورت خدا کے خاص بندوں کے سوا دوسروں کی نہیں ہو سکتی۔ اور ان پر اس وقت ایک حالت طاری ہوئی جس سے وہ بے تاب ہو گئے۔ اور ہائے ہائے کہتے ہوئے انہوں نے مولانا کے قدم پکڑ لئے اور بہت روئے۔

حاشیہ حکایت = ۳۵۰ قولہ ان کی نورانی صورت **اقول** قال الرومی

نور حق ظاہر بود اندر ولی
نیک بیں باشی اگر اہل ولی

قال الکاندھلوی فی ترجمہ: مرد حقانی کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور۔ (شت)

حکایت = ۳۵۱ مولوی محمد یعقوب صاحبؒ جب مراد آباد تشریف لاتے تو میں اور حافظ عطاء اللہ چھتاری سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ نواب محمود علی خان کی بہت آرزو تھی کہ ایک مرتبہ مولوی محمد یعقوب صاحب چھتاری تشریف لاویں۔ مولانا نے فرمایا کہ ہم نے سنا ہے کہ جو مولوی نواب صاحب کے

سمجھتا تھا۔) میں نے کہا پہلے اس سے استعفا دے آؤ۔ پھر مرید کریں گے وہ یہاں سے سیدھا رائپور پہنچا اور مرید ہو کر یہاں آیا اور کہا کہ میں تو مرید ہو بھی گیا۔ مولانا نے تو کچھ نہیں کہا۔ میں نے اس سے کہا کہ کیا تو نے مولانا سے پوچھا تھا۔ کہنے لگا نہیں۔ میں نے کہا ان کو علم غیب تھا۔ پھر میں نے کہا کہ دیکھو میں اور مولانا رائپوری دو نہیں۔ ہم سب ایک ہیں۔ میں ان کی طرف سے کہتا ہوں کہ تم اس زمین سے استعفا دے دو اور اگر کچھ عذر ہے تو یہاں سے ابھی اٹھ جاؤ۔ اور آئندہ جب تک یہاں منہ نہ دکھاؤ۔

حکایت = ۴۲۵ فرمایا کہ میں بچپن میں خواب بہت دیکھا کرتا تھا۔ اب تو بالکل نظر نہیں آتے۔ اور تعبیر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے لیا کرتا تھا مولانا نے بعض اوقات استخارہ تک مجھ سے کرایا ہے کہ تجھے خواب سے مناسبت ہے۔ ایک دفعہ میں نے خواب دیکھا کہ مولانا دیوبندی کے مردانہ مکان میں دروازہ کے سامنے جو چبوترہ ہے اس کے کنارے پر ایک چارپائی بچھی ہے اور اس پر ایک بزرگ بیٹھے ہیں جو بہت نازک پتلے دبلے قد بھی اچھا۔ کپڑے نہایت نفیس بڑے قیمتی تھے۔ انہوں نے مجھے ایک کاغذ دیا جس پر یہ لکھا ہوا تھا کہ (ہم نے تم کو عزت دی) اور اس کاغذ پر بہت سی مہریں ھیں جو نہایت صاف تھیں اور مہریں صاف لکھا ہوا تھا (محمد) صلی اللہ علیہ والہ وسلم (آپ کو حلیہ شریف میں دیکھنا کچھ ضروری نہیں) اسی خواب میں پھریوں دیکھا کہ تھانہ بھون میں شادی لال تحصیل دار کے مکان میں پھاٹک کے متصل جو مکتب تھا اس کے اندر کے درجہ میں ایک انگریز اجلاس کر رہا ہے لباس اس کا بالکل سیاہ ہے (یہ معلوم نہیں مکان میں کیونکر پہنچا) اس میں بھی مہریں بہت مگر صاف نہ تھیں۔ میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے عرض کیا تو فرمایا کہ تم کو دین اور دنیا کی دونوں عزتیں نصیب ہوں گی (جامع کہتا ہے کیسی برجستہ تعبیر ہے کہ آج جس کو ایک عالم اپنی نظر سے دیکھ رہا ہے۔ اللھم زد فزد۔)

حکایت = ۴۲۶ فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی

عادت شریف تھی کہ جب کوئی ان کے پاس آکر بیٹھتا تو معارف و حقائق بیان فرمایا کرتے تھے ہمارے حضرت نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے بچپن ہی سے ایسوں کے پاس پہنچا دیا۔ دین کی محبت تو مولانا فتح محمدؒ صاحبؒ کی خدمت میں رہ کر ہوئی۔ ان کی صورت دیکھ کر اللہ کی محبت پیدا ہوتی تھی اور اہل دین سے محبت حضرت مولانا محمد یعقوب کے یہاں پہنچ کر ہوئی۔

حکایت = ۴۲۷ فرمایا کہ مولوی صادق الیقین صاحب کے والد اچھے بزرگ تھے اور ہر روز ایک قرآن شریف ختم کرتے تھے۔ اور جو تاریخ کسی بزرگ کی وفات کی ہوتی اس روز دو قرآن شریف ختم فرماتے۔ ایک ان بزرگ کی روح کو ایصال ثواب کے لیے اور ایک اپنے معمول کا۔ مگر مولود کے بڑے معتقد تھے۔ اور اس میں مولوی صاحب سے کشمکش رہتی تھی۔ میں نے اس باب میں ان کو ایک مکتوب محبوب القلوب لکھا جس سے آپس میں اتفاق ہو گیا۔ وہ مکتوب چھپ بھی گیا مگر مجھے یقین نہ تھا۔ کہ اس مکتوب کو مولانا گنگوہیؒ پسند فرمائیں گے۔ کیونکہ اس میں کسی قدر توسع ہے۔ ایک مرتبہ جب میں گنگوہ حاضر ہوا تو قصائیوں کے یہاں مولانا کی دعوت تھی۔ میں بھی شریک تھا۔ ایک شخص نے وہاں مولانا سے دریافت کیا کہ مولوی صادق الیقین اور ان کے والد کے معاملات کی کیا حالت ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اب ان میں اتفاق ہے اور یہ سب ان (حضرت مرشدی مد ظلہم) کی برکت ہے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مولود کی ممانعت یہ مولانا کی شان انتظامی تھی اور تعلیمی شان یہ ہے کہ جائز ہے۔ بشرط عدم منکرات اور ناجائز ہے بشرط منکرات۔ چونکہ لوگ حدود کے اندر نہیں رہتے اس لیے منتظمین مطلقاً" منع کرتے ہیں۔

حکایت = ۴۲۸ فرمایا کہ ایک مرتبہ مجھ پر طالب علمی کے زمانہ میں خوف کا بے حد غلبہ ہوا۔ میں حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ حضرت کوئی ایسی بات بتلا دیجئے جس سے اطمینان ہو جائے فرمایا

ہائیں کفر کی درخواست کرتے ہو۔ کیونکہ بالکل مامون ہو جانا کفر ہے۔

حکایت = ۴۲۹ فرمایا کہ مولانا گنگوہیؒ سے میں نے تین چار ہی باتیں سلوک کے متعلق پوچھی ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ زیادہ کی حاجت نہیں ہوئی۔ اسی کی برکت سے بہت کچھ حل ہوگئیں۔ (منقول از الشرف التنبیہ)

اضافہ از مولوی محمد نبیہ صاحب ٹانڈوی

حکایت = ۴۳۰ احقر جامع نے ثقہ سے سنا ہے کہ ایک صاحب تھانہ بھون کے رہنے والے دہلی میں کسی مجذوب کے پاس دعا کے لیے حاضر ہوئے تو اس نے کہا کہ تھانہ بھون ابھی تک غرق نہیں ہوا۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت میں تو دعا کے واسطے حاضر ہوا ہوں اور آپ بد دعا فرما رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تھانہ بھون اب تک ضرور غرق ہو جاتا۔ مگر وہاں دو شخص ہیں ایک مردہ ایک زندہ۔ ایک تو شاہ ولایت صاحب وہاں لیٹے ہوئے ہیں۔(ان بزرگ کا تھانہ بھون میں مزار ہے' اور ایک مولانا اشرف علی صاحب' ان دونوں کی برکت سے تھما ہوا ہے۔ ورنہ ضرور غرق ہو جاتا۔)

حکایت = ۴۳۱ احقر جامع نے ثقہ سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے حضرت سیدی سندی شیخی و مرشدی حکیم الامت حضرت مولانا مولوی شاہ محمد اشرف علی صاحب مدالله ظلال فیوضہم العالی کی نسبت یہ فرمایا کہ بھائی ہم نے تو حاجی صاحبؒ کا کچا پھل کھایا ہے۔ کیونکہ حضرت گنگوہیؒ سب سے اول خلیفہ ہیں اور انہوں نے پکا پھل کھایا ہے (کیونکہ بڑھاپے میں کمال روحانی بڑھتا ہے۔ جامع) محشی کہتا ہے کہ یہ تواضع ہے اس کو تفاضل پر محمول نہ کیا جائے۔ حالات کے تفاضل سے ملابس حالات کا تفاضل ہے۔ لازم نہیں آتا کیونکہ حالت فاضلہ کے ملابس کے استعداد کا فاضل ہونا لازم نہیں۔

حکایت = ۴۳۲ احقر جامع نے استاذی مولانا مولوی قدرت اللہ صاحب

مدظلہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر تھا کہ کچھ لوگ تھانہ بھون کے حضرت مولانا کے پاس آئے اور آکر حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہم کی شکایت کرنے لگے کہ ایسا کرتے ہیں ویسا کرتے ہیں اور ابھی نام ظاہر نہ کیا تھا کہ مولانا گنگوہیؒ نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کی شکایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ مولانا اشرف علی صاحب کی حضرت نے فرمایا کہ میں سننا نہیں چاہتا۔ وہ جو کام کرتے ہیں حق سمجھ کر کرتے ہیں نفسانیت سے نہیں کرتے۔ بشریت سے غلطی دوسری شے ہے۔ پھر وہ سب صاحب اپنا سا منہ لے کر چلے گئے۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب صدر مدرس و ناظم مدرسہ مظاہر العلوم مہاجر مدنی قدس اللہ سرہ کی حکایات

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفرلہ و لوالدیہ

حکایت = ۴۳۳ حضرت طلبہ کے حق میں تعلیمی امور میں بہت سخت تھے۔ اور امتحان میں کسی ادنیٰ رعایت کو بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ اسی طرح طلبہ کی عملی و اخلاقی حالت پر بھی سخت نظر ڈالا کرتے تھے۔ اور کیسا ہی کسی عزیز یا دوست کا بچہ ہو جب اس کی بدوضعی یا آزادی کو محقق فرما لیتے تو بے تامل مدرسہ سے خارج کر دیتے اور جب تک وہی اپنی حالت پر نادم ہو کر سچی توبہ نہ کرے اس کے ولی و وارث کی کوئی سفارش نہ سنتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے ایک قریبی رشتہ دار کو اتنی بات پر کہ انہوں نے حضرت کی قرابت کے ناز پر اپنے استاد کا ادب و احترام ملحوظ نہ رکھا تھا۔ فوراً مدرسہ کی کتابیں واپس کرنے کا حکم دے دیا اور جب تک خود استاد نے حضرت سے سفارش نہ کی۔ اس وقت تک واپس کردہ کتابیں ان کو دوبارہ نہ دی گئیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دفتر و مطبخ وغیرہ کے ملازمین کی طلبہ پر کوئی داب یا سختی حضرت کو گوارا نہ تھی۔ اور ایسے مواقع پر حضرت ہمیشہ طلبہ کا

پہلو کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں حاضر تھا کہ ایک طالب علم کی آپ کے پاس محرر مطبخ کے متعلق شکایت آئی۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ وہ طلبہ کو کھانا تقسیم کر رہے تھے۔ اس طالب علم کو جلی ہوئی روٹی ملی۔ جس کے لینے سے اس نے انکار کیا۔ اور محرر مطبخ نے سختی سے جواب دیا کہ اب نخنے بھک گئے کی جلی اور موٹی سوجھنے لگی۔ لینا ہو لو ورنہ جاؤ۔ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کو اپنے حصے میں لگا لوں یا جو روٹی جلے اس کا تاوان دیا کروں۔ حضرت یہ خبر سنتے ہی مطبخ میں آئے اور غصہ کی وجہ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ میں ساتھ تھا اور دیکھ رہا تھا کہ حضرت کے بدن اور آواز دونوں میں رعشہ ہے۔ محرر مطبخ سے آپ نے واقعہ پوچھا اور جب انہوں نے خود ہی اس سے واقع پر صحیح صحیح بیان کر دیا کہ طلبہ کا نظام قائم رکھنے کے لیے محرر کی طرف داری کیجائے تو اس وقت آپ نے فرمایا کہ منشی جی سنو! مدرسہ انہیں پردیسی بے وطن مسکین طلبہ کے دم سے قائم ہے اور تم اور میں دونوں انہیں کے طفیل میں روٹیاں کھا رہے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو نہ مطبخ کی ضرورت نہ تمہاری حاجت۔ مدرسین بھی فارغ اور مدرسہ بھی خالی۔ یہ مسکین سہی محتاج سہی مگر مجھے اور تمہیں دونوں کو روٹیاں دے رہے ہیں مجھے صرف یہ بتا دو کہ تمہیں ترش کلام کرنے کا کیا حق تھا اور تم کون تھے یہ کہنے والے کہ نخنے بھک گئے ہیں۔ ان کا باپ بنا ہوا ابھی زندہ بیٹھا ہوں۔ تم کو مطبخ سے جزو تنخواہ بنا کر دو خوراک ملتی ہے۔ آخر کیا وجہ تھی کہ جلی ہوئی روٹی تم اپنی خوراک میں نہ لگا سکے۔ اور مہمان رسول کو مجبور کیا کہ یا تو یہی جلی ہوئی روٹی کھائے ورنہ فاقہ کرے۔ اب تو اپنی خوراک اس کے حوالہ کر دو اور آئندہ کے لیے خوب کان کھول لو کہ کسی طالب علم کے ساتھ کچھ بھی تیز یا ترش برتاؤ کیا تو کان پکڑ کر مطبخ سے نکال دوں گا۔ ہاں کسی طالب علم کی کوئی غلطی ہو تو مجھ سے کہو۔ میں تحقیق کے بعد جو سزا مناسب سمجھوں گا دوں گا مگر دوسرے کو نہ دیکھ سکوں گا کہ وہ انہیں ترچھی نظر سے بھی دیکھے۔ چونکہ پہلی غلطی ہے اس لیے اس وقت تنبیہہ پر اکتفا کرتا ہوں کہ آئندہ اس کا پورا لحاظ رکھا جائے۔

حکایت = ۴۳۴ اسی طرح مدرسین کے احترام کا آپ کو خاص اہتمام تھا۔ اور ان کے ساتھ وہ لطف و شفقت کا برتاؤ فرمایا کرتے جو ان کے لیے شایان تھا باوجودیکہ تمام مدرسین آپ کے شاگرد اور معتقد خادم تھے مگر جب کوئی آتا تو آپ اس کو پاس بٹھالیتے اور ان کی بری بھلی سب توجہ سے سنتے تھے مسکراتے اور کوئی شکایت لاتا تو اس کی کافی تحقیق فرماکر ان کو تسلی دیا کرتے تھے۔ طالب علم اور استاد کے مابین کوئی قصہ ہوتا جس میں غلطی استاد کی ہوتی تو اس وقت بڑی ضیق پیش آتی۔ اور بڑی حسن تدبیر سے دونوں پہلو سنبھالا کرتے تھے مولوی ظفر احمد صاحب کے مزاج میں غصہ تھا ایک مرتبہ طالب علم کے بے تکے سوالات پر ان کو پڑھاتے ہوئے غصہ آیا تو کتاب کہ فلسفہ کی تھی طالب علم کے منہ پر ماری۔ حضرت کے قریب ہی ان کی درس گاہ تھی۔ اور حضرت نے سب دیکھ اور سن لیا تھا۔ اس وقت گرفت کرنے میں طالب علم کی جرات بڑھنے کا اندیشہ تھا۔ اور حضرت کو اس کا خاص اہتمام رہتا تھا کہ طلبا کے قلوب میں استاد کی عظمت قائم اور باقی رہے اس لیے ایسا کر دیا گویا سنا ہی نہیں۔ بعد عصر جب مولوی ظفر احمد صاحب مجلس میں آکر بیٹھے تو حضرت نے فرمایا مولوی ظفر کیا کتاب سے بھی مارا کرتے ہیں؟ کتاب تو اس کے لیے موزوں نہیں ہوئی۔ پھر کتاب بھی مدرسہ کی جو کہ وقف ہے اور جس کی حفاظت ضروری۔ مولوی صاحب نے غلطی کا اعتراف اور آئندہ کے لیے احتیاط کا عہد کیا تو آپ مسرور ہوئے اور پھر محبت کے لہجہ میں فرمایا۔ بھائی آج کل طلبہ کو مارنے کا زمانہ نہیں ہے۔ کیونکہ زمانہ فساد کا ہے۔ قلوب میں تکبر بھرا ہوا ہے بعض نادان مقابلہ سے پیش آنے لگتے ہیں۔ اس سے تو بہت ہی احتیاط کرو۔ اور اگر کوئی زیادہ بکبک لگادے اس کو مہتمم سے اطلاع کر کے درس سے اٹھا دو۔ بس اس سے زیادہ سزا کی ضرورت نہیں۔

حکایت = ۴۳۵ امتحان اپنے مدرسہ کا ہو یا دوسرے مدرسہ کا۔ حضرت سخت لیا کرتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی نمبر اچھے دیتے تھے۔ ۱۳۲۷ھ میں مدرسہ

جامع العلوم کانپور میں دینیات سے فارغ شدہ طلبا کے امتحان دلائے جانے کی تجویز ہوئی کہ تمام علوم میں امتحان لیا جائے اور بجائے تقریری کے تحریری امتحان ہو جس کے لیے سوالات بیرونی علما سے منگائے جائیں۔ چنانچہ ادب و بلاغت اور صرف و نحو کا امتحان حضرت نے علوم عربیت کے اہم سوالات تحریر فرما کر مدرسین بھیج دیے۔ مولوی ظفر احمد صاحب تھانوی بھی شریک امتحان تھے اور جب امتحان سے فارغ ہو کر وطن آئے تو حضرت کی زیارت کا شوق ہوا کہ اس سے قبل کبھی زیارت نہ ہوئی تھی چنانچہ جب بھائی کے ساتھ دیوبند جانے لگی تو بھائی سے اپنی خواہش ظاہر کی کہ راستہ میں سہارنپور حضرت کی زیارت کرتے چلیں کہ ادب و بلاغت میں ہمارے ممتحن تھے' شاید کچھ نتیجہ امتحان کا بھی پتہ چل جائے۔ بھائی نے کہا کہ بس زیارت کرنا چاہو تو کر لو باقی نتیجہ امتحان کا پتہ مولانا نہیں دیں گے کہ یہ قاعدہ کے خلاف بات ہے چونکہ مولوی ظفر احمد صاحب کے قلب میں حضرت کی عظمت بیٹھ گئی اور ایک میلان و کشش پیدا ہو گئی تھی اس لیے مدرسہ میں آئے اور حضرت کی زیارت کی۔ مولوی ظفر احمد صاحب کا بیان ہے کہ حضرت کی طبیعت مبارکہ میں شفقت تو قدرت نے ایسی کوٹ کوٹ کر بھری تھی کہ اس کی نظیر ملنا دشوار ہے۔ زیارت کے ساتھ ہی جس چیز کو میں نے دیکھا وہ حضرت کا تبسم کے ساتھ خندہ پیشانی سے شفقت و عنایت فرمایا اور تھوڑی ہی دیر میں قبل ازیں کہ میں نتیجہ امتحان کے متعلق کچھ عرض کرتا خود ہی یہ فرمایا تھا کہ میاں ظفر تمہارے جوابات سے ہم بہت خوش ہوئے تم نے سب سوالات کے جوابات اچھے لکھے اور بالخصوص عربی کی اردو اور اردو کی عربی سب سے اچھی بنائی۔ اس لیے ہم نے نمبر بھی تم کو اچھے دیے اور یہ فرما کر حجرہ میں تشریف لے گئے اور جوابات کا پلندہ نکال کر باہر تشریف لائے۔ اس میں سے میرے جوابات کا پرچہ نکالا اور میرے سامنے ڈال دیا کہ دیکھو تمہارے نمبر سب سے زیادہ ہیں (یعنی سو نمبر میں صرف ایک یا دو کم تھے) اور کسی کے نمبر اس قدر نہیں ہیں۔ سب تم سے کم ہیں۔ اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ شاید حضرت کو کشف ہو گیا کہ میں نتیجہ امتحان کے

متعلق خیال لے کر آیا ہوں۔ اس کے بعد پھر مجھے اپنے ساتھ دولت کدہ پر لے گئے اور چولہے پر چائے تیار تھی اپنے ہاتھ سے پیالی میں نکال کر مجھے عطا فرمائی۔

حکایت = ۴۳۶ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے درس میں اول صبح کے دو گھنٹے ترمذی شریف ہوا کرتی۔ اور اس کے ختم ہو جانے پر بخاری شریف شروع ہو جاتی تھی اور جبکہ وسط میں دونوں کتابوں سے باطمینان فراغ ہو جاتا تھا اس کے بعد فقہ و تفسیر کے اعلیٰ اسباق ہوتے اور اوقات مدرسہ میں ایک گھنٹہ آپ کا درس سے فارغ رہتا تھا۔ جو فتاویٰ لکھنے یا دوسروں کے لکھے ہوئے کو دیکھنے اور سننے میں خرچ ہوتا تھا ۱۳۲۸ھ سے جب مولوی محمد یحییٰ صاحب تشریف لے آئے تو آپ کا ایک گھنٹہ صبح کا اور ایک شام کا فارغ ہونے لگا۔ اور یہ وقت امور نظم مدرسہ میں صرف ہونے لگا۔ ۱۳۳۵ھ میں جب آپ نے ابو داؤد کی شرح بذل المجہود کی تالیف شروع فرمائی تو دو گھنٹہ صبح کے تالیف کے لیے تھے اور ایک گھنٹہ شام کا فتاویٰ کے لیے اور باقی گھنٹوں میں درس۔ مگر ۱۳۳۹ھ میں صبح کا تمام وقت بذل کی تالیف میں مستغرق ہو گیا اور شام کو ایک سبق کا آپ درس دیتے تھے۔ جو ہر سال بدل جاتا تھا کہ ایک سال ابو داؤد شریف ہوئی دوسرے سال مسلم شریف اور پھر نسائی شریف۔ اخیر کے دو سال ۴۳۔۴۴ھ میں صرف موطا امام محمد طلبا کے اصرار پر تبرکاً" پڑھاتے اور صبح کا تمام وقت بذل میں خرچ ہوتا تھا اور شام کا خطوط کے جوابات اور فتاویٰ میں کہ ڈاک کی آمد بہت بڑھ گئی تھی جوابات خطوط ابتداء میں آپ خود تحریر فرمایا کرتے تھے۔ اور خط ایسا حسین تھا گویا تصویر کھینچ دی۔ چنانچہ ۱۳۳۹ھ تک کے آپ کے بھیجے ہوئے خطوط بندہ کے پاس ایک ہزار سے زیادہ موجود ہیں جو حضرت کے اپنے قلم سے لکھے ہوئے ہیں ان کو دیکھتا ہوں اور حیران ہوتا ہوں کہ جلد اور اتنا حسین لکھنا حضرت ہی کا کام تھا۔ بعض خطوط حضرت نے آخر شب میں چراغ کے سامنے لکھے ہیں کہ دن کو فرصت نہیں ملی مگر کیا مجال کہ حسن میں ذرہ برابر فرق آیا ہو۔ پھر جب رعشہ بہت بڑھ گیا تو مولوی محمد یحییٰ صاحب مولوی عبداللہ حاجی مقبول احمد اور مولوی زکریا صاحب وغیرہم آپ کے

طریق سکھلایا اور ان علامات مخفیہ پر آگاہ کیا جو اس وقت نہیں مگر آئندہ سوئی کا پھاوڑہ بنتی نظر آتی ہے۔ غرض جن امور سے ہم حاضرین کی آنکھیں اور کان بے خبر اور قلوب مغفل اور دماغ معطل تھے آپ نے یثرب کی زمین میں بیٹھے ہوئے ان پر روشنی ڈالی اور ایسی ڈالی کہ ان سے نفع اٹھانے والا ایک چلتے ہوئے مفید عام کارخانہ کی تمام ذمہ داریاں کو باآسانی انجام دے سکتا ہے۔ بشرطیکہ چاہے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری کی حکایات

حکایت = ۴۳۸ فرمایا کہ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری کا قلب بڑا نورانی تھا۔ میں ان کے پاس بیٹھنے سے ڈرتا تھا کہ کہیں میرے عیوب منکشف نہ ہو جائیں (جامع کہتا ہے اللہ اکبر کیا ٹھکانا اس تواضع اور انکساری کا۔ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں ~)

نیک لوگوں کا تو ایسا حال ہے
اور تیرا یہ خبیث اب قال ہے
میرا ثانی کوئی دنیا میں نہیں
عالم و زاہد ولی پاک دیں

(منقول از اشرف التنبیہ)

حضرت امیر شاہ خان صاحب راوی رسالہ امیرالروایات رحمتہ اللہ علیہ کی حکایات

حکایت = ۴۳۹ خان صاحب نے فرمایا کہ میں خواب کبھی نہیں دیکھتا ہوں لیکن شاذ و نادر کبھی کوئی خواب نظر آجاتا ہے۔ اور ان میں سے بعض خواب بالکل سچے ہوتے ہیں۔ میں نے لڑکپن میں غالبا بلوغ سے پہلے ایک خواب دیکھا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب اور مولوی عبدالحئی صاحب تشریف فرما ہیں اور یہ خبر ہے کہ

سید صاحب بھی تشریف لا رہے ہیں۔ مولوی عبدالحیٔ صاحب ایک چارپائی پر سرہانے بیٹھے ہیں۔ میں ان کی پائینتیوں بیٹھا ہوا ہوں اور ان سے ایسی باتیں بے تکلفی کے ساتھ کر رہا ہوں جیسے بہت دنوں کی ملاقات ہو۔ چنانچہ میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت آپ کا علم کتنا بڑا ہے مولانا نے مسکرا کر فرمایا کہ بقدر ضرورت اس کے بعد میں مولانا اسمٰعیل صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا وہ مسجد میں ایک ایسے حجرہ میں ٹھہرے ہوئے تھے جو مسجد سے بہت نیچا تھا جیسا آدھا تہ خانہ۔ اور اس حجرہ میں ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی مولانا اس سے کمر لگائے بیٹھے تھے۔ اور ان کے پاس دس بارہ آدمی اور بیٹھے ہوئے تھے۔ جب میں جا کر بیٹھا تو مولانا نے ایک دیگچی نکالی جس میں شربت تھا۔ جس کا قوام کسی قدر گاڑھا تھا' اور رنگت سنہری اور نہایت براق تھی۔ مولانا نے اس میں سے پیالے بھر بھر کر لوگوں کو دینے شروع کئے اور تقسیم اپنے دائیں ہاتھ سے شروع کی۔ میں مولانا کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور میرے پھوپھا میرے برابر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب میرا نمبر آیا مولانا نے اس پیالہ کو اوروں سے زیادہ بھرا اور میری طرف دیکھ کر مسکرائے۔ وہ پیالہ مجھے دینے ہی کو تھے کہ میرے پھوپھا نے مجھے کسی کام کو بھیج دیا۔ اور وہ پیالہ مجھے نہ مل سکا۔ مجھے اس کا بڑا قلق ہوا۔ اور میں چاہتا تھا کہ نہ جاؤں مگر اول تو پھوپھا صاحب کے حکم کی تعمیل ضروری تھی دوسرے یہ بھی خیال ہوا کہ پھوپھا یہ سمجھیں گے کہ یہ بڑا ندیدہ ہے۔ اس لیے چار و ناچار مجھے اس کی تعمیل کرنی پڑی۔ میں اس کام کو کر کے واپس آیا اور جہاں پہلے بیٹھ تھا وہیں بیٹھ گیا مولانا نے فرمایا ارے تو رہ گیا۔ کہاں چلا گیا تھا۔ اس کی بعد دیگچی منگائی اور شربت کو دیکھا۔ شربت موجود تھا۔ مگر اتنا نہ تھا جتنا اوروں کو دیا تھا۔ اس کے بعد مولانا نے وہ پیالہ منگایا جس میں آپ نے پیا تھا۔ اس پیالہ میں مولانا کا بچا ہوا شربت موجود تھا۔ مولانا نے دیگچی کا شربت اس پیالہ میں ڈالا اور دیگچی کو اپنے ہاتھ سے پونچھ پونچھ کر بالکل صاف کر دیا۔ اس سے وہ پیالہ اتنا تو نہ بھرا جتنا پہلی مرتبہ میرے لیے بھرا تھا۔ مگر اوروں کے برابر ہوگیا۔ اور وہ پیالہ میں نے پی لیا۔ اس روز سے میری یہ حالت ہو

گئی کہ میں مولانا کی کتابوں کو اتنا نہیں جتنا وہ خود سمجھتے تھے مگر اپنی حیثیت کے موافق خوب سمجھنے لگا۔

حاشیہ حکایت = ۴۳۹ قولہ اس روز سے میری یہ حالت ہوگئی الخ
اقول خواب اس حالت میں دخیل نہیں بلکہ مبشر ہے۔ اس حالت کے اصول کی مستقبل میں اور وہ حصول کبھی وہبی ہوتا ہے اور کبھی مکتسب کسی عمل سے بہرحال خواب کو موثر نہ سمجھا جائے اگر کوئی چیز موثر ہے وہ عمل ہے۔ اور خواب محض مبشر۔ (شت)

نظیف الزیادات فی لطیف العنایات

اس کی حقیقت ایک مکتوب ہے۔ امیر شاہ خاں صاحب مرحوم کا اس احقر کے نام جس کے بعض اجزا از قبیل مضامین امیر الروایات ہیں۔ "نظیف الزیادات" لقب کا مبنیٰ یہی مناسبت ہے اور بعض اجزا مشعر میں مرحوم کی عنایت خاص کے اس احقر پر "فی لطیف العنایات" کی قید کا مبنیٰ یہی رعایت ہے میں ایسے شخص کی عنایت کو جس کو اکابر کے ساتھ ایسے تعلقات ہوں فال صلاحیت حال و مآل اور موجب تقویت آمال سمجھتا ہوں۔ جن فوائد پر یہ ضمیمہ مشتمل ہے ان میں ہر فائدہ پر "مستقلا" و "منفردا" متنبہ کرنے کے لیے ان اجزاء پر اصل متن کے سلسلہ اعداد سے نمبر بھی ڈال دیئے گئے کیونکہ دلالت علی العنایات بھی ایک قسم کی حکایت ہی ہے۔ خصوص جب کہ وہ بعض واقعات کی حاکی بھی ہو۔ اس طرز سے یہ ایک درجہ میں تتمہ متن کا بھی ہوگیا۔ اور پورے مکتوب کے ختم کے بعد ہر نمبر کے حوالہ سے مواقع ضرور یہ پر کچھ تعلقات مختصر مختصر لکھ دیئے گئے۔ اب اس مکتوب کو نقل کرتا ہوں۔

(جزو اول نمبر ۱۲۵) = حضرت مخدوم مکرم و معظم و محترم جناب مولانا دام اللہ وجود کم امیر شاہ عفی عنہ عارض مدعا ہے کہ میرا مصمم ارادہ تھا کہ اپنے اثنائے سفر میں ضرور حاضر خدمت ہوں مگر میرے دیوبند پہنچنے تک جناب سفر سے

واپس تشریف نہ لائے تھے۔ اس کے بعد میں رائپور چلا گیا۔ محمد اشفاق کی بیوی اور بیٹے کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس لیے وہاں دیر ہو گئی اس کے بعد رمضان آ گیا انہوں نے رمضان میں آنے نہ دیا۔ چنانچہ نصف رمضان وہاں رہنا پڑا اس کے بعد آٹھ روز بھٹ پورہ قیام کرنا پڑا۔ وہاں سے دیوبند واپس آیا۔ گو یہاں آ کر مجھے معلوم ہو گیا کہ جناب والا تشریف لے آئے ہیں۔ لیکن اول تو حافظ احمد نے نہ چھوڑا۔ دوسرے میں بہت ضعیف ہو گیا ہوں۔ نظر بھی بہت کمزور ہو گئی اس لیے تنہا سفر کرنے کے قابل نہیں رہا ہوں۔ اور ہمراہی کوئی ملا نہیں اس لیے حاضری سے قاصر رہا پھر ادھر چودھری صاحب کا تقاضا تھا کہ جلدی آؤ اس نے معذوری میں اور بھی اضافہ کر دیا علی گڑھ آ کر منشی شرافت اللہ صاحب سے معلوم ہوا کہ جناب سفر سے واپس لاتے ہوئے کچھ دیر ہاتھرس کے اسٹیشن پر ٹھہرے تھے اور مجھے اور حبیب احمد کو بلانے کے لیے جناب نے مینڈھو آدمی بھیجے تھے۔ مگر ہم میں سے کوئی نہ ملا یہ سن کر نہایت صدمہ ہوا مگر ساتھ ہی انہوں نے یہ خوشخبری بھی سنائی کہ جناب عنقریب علی گڑھ تشریف لانے والے ہیں۔ اس سے قدرے تسکین ہوئی اور میں نے ان سے کہہ دیا کہ جب مولانا تشریف لانے کو ہوں تو ان کی تشریف آوری سے ایک روز قبل مجھے بلا لیا جاوے۔ چنانچہ انہوں نے اس کو منظور فرما لیا ہے۔ حضور سے بھی معروض ہوں کہ جب جناب علی گڑھ تشریف لائیں تو مجھے اطلاعی والا نامہ سے مشرف فرما دیں۔

(جزو دوم نمبر ۱۹۶) = آخر میں تھوڑی سی کچھ اپنی بکواس لکھوانا چاہتا ہوں جس کا نام اعتقاد ولی ہے۔ اس اعتقاد سے میں بجز اپنے حضرات کے اور شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان اور کسی کا معتقد نہیں ہوں۔ چنانچہ حضرت گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ امیر شاہ اور مولوی عبدالکریم پنجابی یہ دو شخص کسی کے معتقد نہیں۔ اگر کوئی کہتا کہ حضرت اور آپ کے؟ تو آپ کبھی فرماتے کہ ہاں مولوی محمد قاسم کے نے سنائے میرا معتقد ہے اور کبھی فرماتے کہ ہاں میرا تو سچا معتقد ہے۔ پھر مکہ معظمہ جانے کا اتفاق ہوا وہاں حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں جانے لگا۔

حکایت = ۴۴۰ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ دیوان محمد یٰسین مرحوم جو حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کے خدام میں سے تھے۔ ان کا ذکر جہر مشہور تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ ان کا ذکر سن کر کوئی بغیر روئے ہوئے وہاں سے گزر جائے۔ نہایت درد ناک آواز میں ذکر کرتے تھے اور بہت روتے تھے۔ ہر وارد و صادر پر اس ذکر اور گریہ کا اثر پڑتا تھا۔ اور وہ بھی روتا تھا۔ خود فرماتے تھے کہ میں ایک دفعہ چھتہ کی مسجد کے شمالی گنبد کے نیچے ذکر جہر میں مصروف تھا کہ حضرت رحمتہ علیہ مسجد کے صحن میں اسی شمالی جانب مراقب اور متوجہ تھے۔ اور توجہ کا رخ میرے ہی قلب کی طرف تھا۔ اسی اثناء میں مجھ پر ایک حالت طاری ہوئی اور میں نے بحالت ذکر دیکھا کہ مسجد کی چار دیواری تو موجود ہے مگر چھت اور گنبد کچھ نہیں بلکہ ایک عظیم الشان روشنی اور نور ہے جو آسمان تک فضا میں پھیلا ہوا ہے۔ یکایک میں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک تخت اتر رہا ہے اور اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور خلفائے اربعہ ہر چہار گوشوں پر موجود ہیں۔ وہ تخت اترتے اترتے بالکل میرے قریب آ کر مسجد میں ٹھہر گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے اربعہ میں سے ایک سے فرمایا کہ بھائی ذرا مولانا محمد قاسم کو بلا لو وہ تشریف لے گئے اور مولانا کو لے کر آ گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مولانا مدرسہ کا حساب لائیے عرض کیا حضرت حاضر ہے اور یہ کہہ کر حساب بتلانا شروع کیا اور ایک ایک پائی کا حساب دیا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی اور مسرت کی اس وقت کوئی انتہا نہ تھی بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا کہ اچھا مولانا اب اجازت ہے حضرت نے عرض کیا جو مرضی مبارک ہو۔ اس کے بعد وہ تخت آسمان کی طرف عروج کرتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا۔

حاشیہ حکایت = ۴۴۰ یہ واقعہ ایک قسم کا کشف تھا جس میں ممکن ہے کہ مولانا کی توجہ کو دخل ہو جو تصرف کی فرد ہے۔ شاید تعبیر اس واقعہ کی یہ ہو کہ مدرسہ کی تصحیح حساب صاحب واقعہ کو دکھلانا تھا تاکہ متردین اسے سن کر مطمئن ہو

جاویں۔ باقی معاندین تو وحی میں بھی شبہ نکال دیتے ہیں۔ (شت)

رام پور کے مجذوب کی حکایت

حکایت = ۴۴۱ خان صاحب نے فرمایا کہ ریاست رام پور میں نواب یوسف علی خاں کے زمانے میں روشن باغ میں ایک مجذوب رہتے تھے اور نواب صاحب کی طرف سے دو سپاہی ان کی خدمت کے لیے رہا کرتے تھے۔ ان کا نام بٹیر شاہ تھا۔ یہ مجذوب بالکل ننگے رہتے تھے۔ مگر باتوں میں مجذوب نہ تھے۔ چنانچہ جب باتیں کرتے ان کا قاعدہ تھا کہ جو کوئی ان کے پاس آتا اس سے کوئی نہ کوئی فرمائش ضرور کرتے نیز ان کا قاعدہ تھا کہ اگر کوئی ایک انار ایک امرود یا ایک روپیہ یا ایک پیسہ وغیرہ پیش کرتا تو نہ لیتے تھے اور فرماتے ایک نہ لوں گا دولاؤ۔ میرے پھوپھا ان کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔ اور مجھے بھی اپنے ہمراہ لے جاتے تھے۔ میرے پھوپھا نے شاہ آباد دروازہ پر ایک مکان لے رکھا تھا اور ہمارے مکان کے قریب ایک مولوی صاحب رہتے تھے جو نہایت صحیح العقیدہ اور بزرگ آدمی تھے ان کا نام مولوی اسمٰعیل صاحب تھا اور ان کے ایک بھائی تھے جن کا نام حافظ اسحٰق تھا۔ میں ان حافظ اسحٰق صاحب سے کوئی کتاب بھی پڑھتا تھا۔ اس کا نام مجھے یاد نہیں رہا ان وجوہ سے مولوی اسمٰعیل صاحب سے تعلقات تھے۔ ایک مرتبہ ان مولوی اسمٰعیل صاحب نے میرے پھوپھا سے بٹیر شاہ کے انتقال کے بعد اپنا قصہ بیان فرمایا کہ گو میری عادت مجاذیب سے اختلاط کی نہ تھی مگر میں خلاف عادت بٹیر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ اور گو ان کی عادت تھی کہ وہ ہر آنے والے سے کچھ نہ کچھ فرمائش کیا کرتے تھے۔ مگر انہوں نے بھی اپنی عادت کے خلاف کبھی مجھ سے کوئی فرمائش نہیں کی۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ حضور سب سے کچھ نہ کچھ فرمائش کرتے ہیں مگر مجھ سے کوئی فرمائش نہیں کی کیا حضور مجھ سے کچھ ناخوش ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں بلکہ میں سب سے زیادہ تجھ سے خوش ہوں میں نے کہا کہ پھر آپ مجھ سے فرمائش کیوں نہیں کرتے انہوں نے فرمایا کہ

رہتے تھے اور اتفاق اس جگہ حضرت حاجی عبد الرحیم صاحب ولایتی شہید رحمتہ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے' وہ مجذوب اکثر حاجی صاحب شہید کے خدا سے یوں کہا کرتے تھے کہ "او تمہارا حاجی بڑا بزرگ ہے۔" حضرت حاجی صاحب شہید جب بغرض زیارت حرمین شریفین کو گئے تو ایک دن جہاز میں حضرت کے ہاتھ سے لوٹا چھوٹ کر سمندر میں گر گیا۔ ذرا سی دیر گزری تھی کہ سمندر میں سے ایک ہاتھ لوٹا تھامے ہوئے نکلا اور لوٹا حضرت حاجی صاحب کے ہاتھ میں پکڑا کر غائب ہو گیا۔ ادھر لوہاری میں ان مجذوب صاحب نے حضرت کے خدام سے فرمایا کہ تمہارے حاجی صاحب کے ہاتھ سے لوٹا چھوٹ کر سمندر میں گر گیا تھا میں نے ان کو لوٹا پکڑایا۔" حضرت کے خدام نے سمجھا کہ بڑ ہانک رہے ہیں۔ جب حضرت حاجی صاحب حج سے فارغ ہو کر فارغ ہو کر واپس ہوئے اور لوہاری میں تشریف لائے کسی کو مجذوب کی یہ بات یاد آ گئی۔ انہوں نے حضرت سے عرض کیا آپ نے فرمایا سچ ہے بے شک یہ واقعہ جہاز میں پیش آیا مگر اس وقت وہ ہاتھ میری شناخت میں نہیں آیا کہ کس کا ہے۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

حافظ عبد القادر صاحب مجذوب کی حکایت

حکایت = ۴۴۴ ایک دن فرمایا کہ جس زمانہ میں علم حاصل کرنے کی غرض سے میں دہلی میں رہتا تھا۔ دار البقا میں ایک مجذوب حافظ عبد القادر صاحب رحمتہ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے' ایک دن وہ راستہ میں جا رہے تھے اور میں چند قدم پیچھے پیچھے تھا۔ دفعتہ مڑ کر میری طرف دیکھا اور فرمایا کون ہے قدرت اللہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت رشید احمد ہے۔ اس کے چند قدم الٹے پاؤں پیچھے ہٹے اور کہا ہتوہ' ہتوہ' اور سینہ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا۔ یہ میرے گولی لگی ہے یہ میرے گولی لگی ہے۔" یہ چند الفاظ فرما کر بھاگ گئے۔ اس قصہ سے مہینے سوا مہینے بعد ہی غدر کا اثر شروع ہوا اور یہ حضرت گولی سے شہید ہوئے سینہ ہی میں گولی لگی۔ نیز فرمایا۔ ایک دن مولوی محمد قاسم صاحب بخاری شریف

لیے جا رہے تھے۔ کہ یہی مجذوب حافظ صاحب راستہ میں مل گئے اور بخاری شریف مولوی صاحب کے ہاتھ میں سے چھین کر چل دیئے مولوی صاحب ڈرتے ہوئے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ کہ کہیں بخاری شریف ڈال نہ دیں۔ راہ میں ایک بھڑبھونجہ کی دکان تھی اس میں بھٹی پر بیٹھ گئے اور بخاری شریف کی اوراق گردانی شروع کر دی اور زبان سے لگے من من من کرنے تھوڑی دیر تک ورقوں کو الٹ پلٹ کرتے رہے۔ اس کے بعد کتاب مولوی صاحب کو دے دی۔
(منقول از تذکرۃ الرشید)

میر محبوب علی صاحب مرحوم کی حکایت

حکایت = ۴۴۵ خاں صاحب نے فرمایا کہ غدر میں بہت علماء مخالف تھے اور کہتے تھے کہ یہ جہاد نہیں ہے۔ انہیں میں میر محبوب علی صاحب بھی تھے اور آپ وعظ و نصیحت کے ذریعہ سے لوگوں کو غدر سے روکتے تھے۔ جب غدر فرد ہوا تو انگریزوں کی طرف سے ان کو گیارہ گاؤں مسلم انعام میں دیئے گئے تھے اور ایک بڑا انگریز گاؤں کی معافی کا پروانہ لے کر خود مولوی صاحب کی خدمت میں پہنچا اور کہا کہ گورنمنٹ نے آپ کی وفا داری کے صلہ میں آپ کو گیارہ گاؤں عطا کیے ہیں اور یہ پروانہ معافی ہے۔ مولوی صاحب یہ سن کر نہایت برہم ہوئے اور پروانہ لے کر اس انگریز کے سامنے پھاڑ ڈالا۔ اور فرمایا کہ میں نے کیا تمہارے لیے کیا تمہارے لیے کیا تھا۔ میرے نزدیک مسئلہ یوں ہی تھا اس لیے میں لوگوں کو منع کرتا تھا۔

حاشیہ حکایت = ۴۴۵ قولہ۔ کیا تمہارے لیے کیا تھا۔ اقول مگر اس کے قبل تو کم فہموں کو ضرور ہی ایسی بدگمانی ہوئی ہو گی جس کا غلط ہونا ثابت ہو۔ اس سے سبق حاصل ہوا کہ محض قرائن تخمینہ سے کسی پر کوئی حکم نہ لگا دینا چاہیے۔ جیسا اس زمانہ میں بھی اس کے نظائر میں ایسے ہی بدگمانی کا زور ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ (شت) (منقول از امیر الروایات)

روپیہ بلا تعدی کے ضائع ہوا ہے اس لیے ان پر ضمان نہیں۔ اہل مدرسہ نے مولوی محمد منیر صاحب سے درخواست کی کہ آپ روپیہ لے لیجئے۔ اور مولانا کا فتویٰ دکھلایا۔ مولوی صاحب نے فتویٰ دیکھ کر فرمایا کہ کیا میاں رشید احمد نے فقہ میرے ہی لیے پڑھی تھی۔ اور کیا یہ مسائل میرے ہی لیے ہیں ذرا اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر تو دیکھیں اگر ان کو ایسا واقعہ پیش آتا تو کیا وہ بھی روپیہ لے لیتے۔ جاؤ لے جاؤ اس فتویٰ کو۔ میں ہرگز روپیہ نہ لوں گا۔

حاشیہ حکایت = ۴۵۳ قولہ کیا یہ مسائل میرے ہی لیے الخ اقول کیا انتہا ہے تقویٰ کا (ش ت) (منقول از امیر الروایات)

ایک نورباف بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کی حکایت

اضافہ از ظہور الحسن غفرلہ ولوالدیہ

حکایت = ۴۵۴ ایک دن ارشاد فرمایا ایک بزرگ تھے جلا ہے۔ ایک روز عصر کی نماز میں ان کو دیر ہوگئی۔ دوڑے ہوئے کنویں پر وضو کے لیے پانی لینے گئے۔ کنویں کے اندر لوٹا یا ڈول جو ڈالا تو چاندی سے بھرا ہوا نکلا۔ اس بزرگ نے پھینک دیا اور جناب باری میں عرض کیا کہ مذاق نہ کرو مجھے تو نماز کو دیر ہوتی ہے دوبارہ کنویں میں ڈالا تو سونے سے بھرا ہوا نکلا۔ پھر اس کو زمین پر دے پٹکا اور عرض کیا مذاق نہ کرو مجھے تو نماز میں تاخیر ہوئی جاتی ہے اس وقت الہام ہوا کہ میں نے یہ معاملہ اس لیے کیا کہ لوگ تجھ کو حقیر نہ جانیں۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

جناب مولانا مولوی میاں اصغر حسین صاحب محدث مدرس مدرسہ دارالعلوم دیوبند رحمتہ اللہ علیہ کی حکایت

حکایت = ۴۵۵ فرمایا کہ جس وقت دیوبند کے مدرسہ میں شورش ہوئی ہے تو اس زمانے میں مولوی اصغر حسین صاحب نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک